مَعَارِفُ الْحَدِیث

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

مَعَارِفُ الْحَدِیْث

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ششم

(حصہ اوّل)

کِتَابُ الْمُعَاشَرَۃِ وَالْمُعَامَلَات

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ

قیمت مجلد ۱۵/-	مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ	بار دوم ایک ہزار
غیر مجلد ۱۲/۵۰		اکتوبر ۱۹۷۶ء

فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد ششم (حصہ اوّل) - بقید صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
دیباچہ	۱۱
کتاب المعاشرۃ والمعاملات ———	۱۵
معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت	۱۸
معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات	۱۸
——— ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں	۱۹
نومولود بچہ کے کان میں اذان	۱۹
تحنیک اور دعائے برکت	۲۰
عقیقہ	۲۲
تسمیہ (نام رکھنا)	۲۹
حسن ادب اور دینی تربیت	۳۱
خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت	۳۴
داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے	۳۸
نکاح اور شادی کی ذمہ داری	۴۲
——— ماں باپ کے حقوق اولاد پر	۴۳
ماں باپ اولاد کی جنت اور دوزخ ہیں	۴۵
اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے	۴۵
ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ	۴۶
بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے بدبخت اور محروم	۴۸
ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم	۴۹
جنت ماں کے قدموں میں ہے	۵۱

نکتہ سنجاں را اصلاے عام دہ

از نبیتے اُمیتے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں۔ جو

"نبیِ اُمّی" سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی وابی وروحی وقلبی)

پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپؐ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام

اولادِ آدمؑ کی نجات کا یقین کرتے ہیں

اور اسلئے آپؐ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہوکر

آپؐ کے ارشادات سُنیں!

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دِلوں کے لئے روشنی حاصل کریں

حاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ

L 10582

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
عید میں لہو ولعب کی بھی گنجائش	۸۷
یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا اسلئے حضورؐ نے بھی اس میں دلچسپی لی	۸۷
پردہ کا سوال	۸۸
ــــــ ہمسایوں کے حقوق	۹۰
پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ اللہ ورسولؐ کی محبت کی شرط اور اس کا معیار	۹۱
پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمہ ایمان	۹۲
وہ آدمی مومن اور جنتی نہیں جسکے پڑوسی اس سے مامون اور بےخوف نہ ہوں	۹۳
وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اُس کا پڑوسی بھوکا ہو	۹۵
ہمسائگی کے بعض متعین حقوق	۹۶
پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے	۹۹
تعلیم وتربیت کا اہتمام ہر پڑوسی کا حق ہے	۱۰۱
ــــــ کمزور اور حاجتمند طبقوں کے حقوق	۱۰۴
مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت وسرپرستی	۱۰۴
محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت، واعانت	۱۰۹
غلاموں اور زیردستوں کے بارے میں ہدایات	۱۱۴
غلاموں کے بنیادی حقوق	۱۱۴
یہ غلام تمہارے بھائی ہیں ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے	۱۱۵
غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اُس میں سے اسکو ضرور کھلایا جائے	۱۱۶
غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے	۱۱۷
غلام پر ظلم کرنے والے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا۔	۱۱۹
غلام پر ظلم کا کفارہ	۱۱۹
غلاموں کے بارے میں حضورؐ کی آخری وصیت	۱۲۱

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ	۵۲
خدمت اور حسنِ سلوک کافر اور مشرک ماں کا بھی حق ہے	۵۳
ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے خاص حقوق	۵۵
ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دُنیوی برکات	۵۸
والدین کی نافرمانی اور ایذا رسانی عظیم ترین گناہ	۵۹
ــــــ دوسرے اہلِ قرابت کے حقوق اور صلۂ رحمی کی اہمیّت	۶۱
صلۂ رحمی کے بعض دُنیوی برکات	۶۴
قطع رحمی جنّت کے راستے میں رکاوٹ	۶۵
قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی	۶۶
ــــــ میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمّہ داریاں	۶۸
بیوی پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے	۶۹
اگر غیر اللہ کے لئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا	۷۰
ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کے لئے	۷۳
شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری	۷۴
بیویوں کے حقوق اور اُن کی رعایت و مدارات کی تاکید	۷۶
بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت	۷۹
بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمالِ ایمان کی شرط	۸۱
بیویوں کے ساتھ رسُول اللہؐ کا معیاری اور مثالی برتاؤ	۸۲
حضرت عائشہ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ	۱۴
حضورؐ کا حضرت عائشہ رضؓ سے دوڑ میں مقابلہ	۸۵
حضورؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو خود کھیل دکھایا	۸۶

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے	۱۷۳
مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں اُن کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہئے	۱۷۴
اپنی تعظیم کے لئے بندگانِ خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے	۱۷۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے	۱۷۶
صاحب مجلس کے اٹھنے پر اہل مجلس کا کھڑا ہو جانا نادرست نہیں	۱۷۷
ــــــ لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضورؐ کی ہدایات اور آپؐ کا طریقہ	۱۷۸
سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت	۱۷۸
کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سونے کی ممانعت اور اس کی وجہ	۱۷۹
پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت	۱۸۰
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح لیٹتے تھے	۱۸۱
سونے سے پہلے اور سو کر اُٹھنے پر مسواک کا اہتمام	۱۸۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے	۱۸۴
مجلس میں آنے والے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے۔	۱۸۵
حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے۔	۱۸۶
اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سائے میں	۱۸۷
ــــــ مجلس میں گفتگو، ہنسی و مزاح، چھینک اور جمہائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات	۱۸۹
بے ضرورت بات کو لمبا نہ کیا جائے	۱۹۰
منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلۂ فوز و فلاح بھی ہو سکتی ہے اور موجب ہلاکت بھی	۱۹۰
کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے۔	۱۹۲
شعر و سخن	۱۹۴

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
آقاؤں کی خیر خواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت	۱۲۲
بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارہ میں ہدایات	۱۲۴
ــــ اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کے بارہ میں ہدایات	۱۲۷
اسلامی رشتہ کے چند خاص حقوق	۱۳۳
مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت	۱۳۴
ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے	۱۳۸
عام مسلمانوں اور مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں ہدایات	۱۳۹
ــــ عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں ہدایات	۱۴۳
جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت	۱۴۳
ــــ آدابِ ملاقات اور آدابِ مجلس	۱۴۸
تحیۂ اسلام، سلام	۱۴۸
سلام کی فضیلت و اہمیت	۱۵۰
سلام کا اجر و ثواب	۱۵۳
عند الملاقات، سلام	۱۵۶
اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ یا جاؤ تو سلام کرو	۱۵۷
سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے	۱۵۸
بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے	۱۶۰
مصافحہ	۱۶۱
مصافحہ کا اجر و ثواب اور اس کی برکتیں	۱۶۲
معانقہ و تقبیل ــــ اور قیام	۱۶۳
ملاقات یا گھر یا مجلس میں آنے کے لئے اجازت کی ضرورت	۱۶۶
ملاقات کو آنے والے کا حق ہے کہ اس کو پاس بٹھایا جائے	۱۷۳

عنوانات یا مضمون کے اشاریہ	صفحہ
کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے	۲۶۳
ساتھ کھانے میں برکت ہے	۲۶۴
کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے	۲۶۶
جو کھانا انگلیوں میں لگا رہ جائے تو اس کی بھی قدر کی جائے	۲۶۷
گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا کر کھا لیا جائے	۲۶۸
کھانے میں شیطانی قصہ ذات یہ حقیقت ہے یا مجاز؟	۲۶۹
اگر کھانے میں مکھی گر جائے	۲۷۱
کھانے کے معاملہ میں حضور صلعم کی شان بندگی	۲۷۳
سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت	۲۷۵
آنحضرت صلعم کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے	۲۷۵
آپ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں	۲۷۶
کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اس کا شکر	۲۷۸
پینے کے آداب	
ایک سانس میں نہ پیا جائے	۲۸۰
پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے	۲۸۱
کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت	۲۸۱
لباس کے احکام و آداب	
اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد	۲۸۳
لباس نعمت خداوندی اور اس کا مقصد	۲۸۵
بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت	۲۸۶
عورتوں کے لئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت	۲۸۷
عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ.....	۲۸۸
لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت	۲۸۹
متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید	۲۹۰

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ظرافت و مزاح	۱۹۸
ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)	۲۰۱
چھینکنے اور جمائی لینے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات	۲۰۵
ــــــ کھانے پینے ۔ کے احکام و آداب	۲۱۱
مشروبات کے احکام	۲۲۹
شراب کی حرمت	۲۳۰
شراب کی حرمت اور شرابی کے بارے میں وعیدیں	۲۳۷
نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے	۲۴۱
شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کی جائے	۲۴۱
شراب نوشی پر اصرار کرنے والی قوم کے خلاف اعلان جنگ	۲۴۲
شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید	۲۴۳
ہر نشہ آور چیز حرام ہے	۲۴۵
اُمت کی شراب نوشی کے بارہ میں ایک پیشین گوئی	۲۴۷
شراب کے سلسلے میں کچھ سخت ہنگامی احکام	۲۴۷
نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے	۲۵۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا	۲۵۲
حضورؐ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام	۲۵۲
ــــــ کھانے پینے کے آداب	۲۵۳
کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا	۲۵۴
کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا	۲۵۶
کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اس کا نام لیا جائے	۲۵۸
کھانا داہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے	۲۶۰
جوتا اُتار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے۔	۲۶۲

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو "ہدایت" اور "دین حق" لے کر آئے اس میں سب سے پہلی چیز ایمان اور توحید کی دعوت تھی۔ پھر جو لوگ آپ کی اس دعوت کو قبول کر لیتے، ان کو آپ عملی زندگی کے بارہ میں ہدایات دیتے تھے۔ آپ کی اس ہدایت اور تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے، جس میں آپ نے بتلایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے۔ اور اس باب میں اُن کے فرائض کیا ہیں، اور اس حق اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے انھیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرا حصہ آپ کی تعلیم کا وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں، اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہئے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں۔

حقوق العباد کا مسئلہ اس لحاظ سے زیادہ اہم اور قابل فکر ہے کہ اس میں اگر تقصیر

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت	۲۹۲
مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس وہیئت کی ممانعت	۲۹۴
مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ	۲۹۵
اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں	۲۹۶
خوب کھاؤ اور پہنو بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو	۲۹۷
اول جلول، پراگندہ حال اور میلے کچیلے رہنے کی ممانعت	۲۹۸
داڑھی اور سر کے بالوں کی خبر گیری اور درستی کی ہدایت	۲۹۹
سادگی اور خستہ حالی بھی ایک ایمانی رنگ ہے	۳۰۱
لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام واکرام	۳۰۱
ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۰۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس	۳۰۳
لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضورؐ کا معمول تھا	۳۰۹
کپڑا پہننے کے وقت کی حضورؐ کی دعا	۳۱۰
جوتا پہننے کے بارے میں ہدایات	۳۱۱
انگشتری اور مہر کے بارے میں حضورؐ کا طرز عمل اور ہدایات	۳۱۲
داڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے تعلق ہدایات	۳۱۵
عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم	۳۱۹
ــــــ ستر اور پردہ کے بارے میں ہدایات	۳۲۱
ضروری ستر	۳۲۳
تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری	۳۲۴
عورتوں کو پردہ ضروری، باہر نکلنا موجب فتنہ	۳۲۶
نظر بازی موجب لعنت	۳۲۷
کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑجانے کا حکم	۳۲۷
غیر عورت پر نظر پڑجانے سے دل میں گناہ کا جذبہ پیدا ہو تو	۳۲۹
نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت	۳۳۰

یغفر اللہ الاشراک باللہ بقول اللہ عزوجل "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ" وذنوب لا یترکہ اللہ ظلم العباد فیما بینھم حتی یقتص بعضھم من بعض وذنوب لا یعبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینھم وبین اللہ فذاک الی اللہ ان شاء عذبہ وان شاء تجاوز عنہ۔

— رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۵)

گئے ہیں) تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو ہرگز معافی اور بخشش نہ ہوگی، وہ "شرک" ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ ہرگز نہیں بخشے گا — اور گناہوں کی ایک وہ فہرست ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا، وہ بندوں کے باہمی مظالم، زیادتیاں اور حق تلفیاں ہیں ان کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا۔ اور ایک فہرست گناہوں کی وہ ہے جسکی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت اور پروا نہیں یہ بندوں کے وہ مظالم اور وہ تقصیرات ہیں جنکا تعلق بس اُن سے اور اُن کے اللہ سے ہے، ان کے بارہ میں فیصلہ بس اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو بالکل معاف کردے۔

بہرحال حقوق العباد کا معاملہ اس لحاظ سے بہت زیادہ سنگین اور قابلِ فکر ہے کہ اسکا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے (جو کریم و رحیم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ وہ بندوں ہی سے متعلق ہے اور اُنکا حال معلوم ہے۔

پھر حقوق العباد سے متعلق آپؐ کی تعلیم و ہدایت کے بھی دو حصے ہیں، ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ، اولاد کا ماں باپ کے ساتھ، بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، قریب و بعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ، نوکروں، ماتحتوں کے ساتھ، خاصکر کمزور اور ضرورتمند طبقوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے۔ علیٰ ہذا آپس میں ملنے جلنے، ہنسنے بولنے، کھانے پینے، پہننے، اُٹھنے بیٹھنے، شادی بیاہ اور خوشی یا غم کے موقعوں پر کن احکام اور آداب کی پابندی

اور کوتاہی ہو جائے یعنی کسی بندہ کی ہم سے حق تلفی یا اس پر ظلم و زیادتی ہو جائے تو اسکی معافی اور اس سے نجات و خلاصی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے (جو رحیم و کریم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ یا تو اس دنیا میں اس بندہ کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی جائے، اگر ان دونوں میں سے کوئی بات بھی یہاں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا اور وہ بیحد جھگڑا پڑے گا یا اس کے حساب میں آخرت کا سخت عذاب بھگتنا ہوگا، جیسا کہ حدیثوں میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:-

من كانت له مظلمة لاخيه	جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم زیادتی
من عرضه او شيء فليتحلله	کی ہو اسکی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ
منه اليوم قبل ان لا يكون	میں حق تلفی کی ہو تو اسکو چاہئے کہ آج ہی
دينار ولا درهم ان كان	اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف
له عمل صالح اخذ منه بقدر	کر لے، آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے
مظلمته وان لم يكن له	جب اسکے پاس ادا کرنے کیلئے دینار و درہم
حسنات اخذ من سيئات	کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر اسکے پاس اعمال صالحہ
صاحبه فحمل عليه۔	ہونگے تو اسکے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دیئے
(صحیح بخاری، ابواب المظالم والقصاص)	جائینگے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ

ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لاد دیئے جائینگے (اور اسطرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائیگا)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، آپؐ نے فرمایا:-

الذنوب ثلثة ديوان لا	اعمال نامے (جن میں بندوں کے گناہ لکھے

حقوق العباد یعنی معاشرت اور معاملات کے ابواب سے ہے۔

جلد ششم حصۂ اوّل (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) اس میں صرف ابواب معاشرت سے متعلق سوا تین سو حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے، اسکی جامعیت کا کچھ اندازہ آپ اُس فہرست عنوانات سے بھی کر سکتے ہیں جو کتاب کے شروع میں شامل ہے ــــ اسکے حصۂ دوم میں معاشرت و معاملات کے بقیہ ابواب، مثلاً نکاح و طلاق اور اُنکے متعلقات، اور تجارت و زراعت، وصیت و امانت، قرض و ہبہ، اور اجارہ و وکالت وغیرہ معاشی و مالی معاملات اور قضا و عدالت وغیرہ سے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و معمولات کی تشریح (انشاء اللہ اسی انداز میں) آپکے سامنے آئیگی۔ واللہ الموفق۔

اس جلد کی بھی زیادہ تر بلکہ قریباً تمام تر حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح، جمع الفوائد اور کنز العمال سے منتخب کی گئی ہیں اور سابقہ جلدوں کی طرح اسکی احادیث کی تخریج میں بھی انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف انہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا جمہور محدثین کے نزدیک اسکی صحت کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

حدیثوں کی ترتیب و تشریح اور عنوانات وغیرہ میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، اور اُن ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر سابقہ جلدوں کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے، اس لئے اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث کی تالیف سے مقصود چونکہ عام تفہیم ہے اس لئے اس جلد کی حدیثوں کے ترجمہ میں بھی لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے لیکن اگر مصنف سے کسی حدیث کا مفہوم سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی ہو گئی ہو (جو بلاشبہ ممکن ہے) تو جو صاحب علم اُس پر مطلع ہوں وہ ازراہ کرم اس عاجز کو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔

ــــ واجرھم علی اللہ

کرنی چاہیے ـــــ دین کے اس حصہ کا جامع عنوان معاشرت ہے۔

دوسرا حصہ حقوق العباد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا وہ ہے جس میں معاشی و مالی معاملات مثلاً خرید و فروخت، تجارت و زراعت، قرض، امانت، مزدوری یا باہمی نزاعات میں عدل و انصاف، محکمہ قضا اور شہادت و وکالت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، اس کا جامع عنوان معاملات ہے۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث ایک خاص منہج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی تھی جن کو حضرات محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابواب ایمان میں درج کیا ہے، اور قیامت، آخرت، جنت، دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اس جلد میں شامل کر دیا گیا تھا، کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔

پھر دوسری جلد (کتاب الرقاق والاخلاق) میں ان حدیثوں کی تشریح کی گئی جن کا تعلق ابواب زہد و رقاق اور اخلاق سے ہے کیونکہ ایمان اور احسان سے ان کا بہت قریبی رابطہ ہے اور ان کا تعلق بھی عملی زندگی سے نہیں بلکہ قلب و باطن سے ہے۔

پھر تیسری جلد میں طہارت و نماز، اور چوتھی جلد میں زکوٰۃ، روزہ اور حج، اور پانچویں جلد میں تلاوت قرآن، اذکار و دعوات، توبہ و استغفار وغیرہ سے متعلق احادیث جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی ـــــ اس طرح ان تینوں جلدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا وہ حصہ ضروری تشریح اور وضاحت کے ساتھ کم از کم اصولی طور پر پورا آگیا جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خاص کر عبادات سے ہے۔

اب یہ چھٹی جلد ـــــ جس کو ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا ـــــ اس میں کتب حدیث سے وہ حدیثیں منتخب کر کے ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں ——

اس سلسلۂ معارف الحدیث کی اس سے پہلی پانچ جلدوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اور آپؐ کے جو ارشادات مرتب کرکے پیش کئے جا چکے ہیں اُن کا تعلق یا عقائد و ایمانیات سے تھا یا اخلاق و جذبات اور قلب و روح کی کیفیات سے یا طہارت اور نماز روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور اذکار و دعوات سے!——

اب اُن احادیث کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جن کا تعلق معاشرتی حقوق و آداب اور معاشی معاملات سے ہے، اور جن سے معلوم ہوگا کہ ہم اپنے ابنائے جنس اور عزیزوں قریبوں، چھوٹوں اور بڑوں، اپنوں اور پرایوں کے ساتھ، جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں، کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں —— اور لین دین، خرید و فروخت، قرض و امانت، تجارت و زراعت، مزدوری و دستکاری کارخانہ داری و کرایہ داری، اور اسی طرح دوسرے معاشی مشغلوں کے بارے میں اللہ و رسولؐ کے کیا احکام ہیں، اور اُن کی کون سی شکلیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے

آخری گذارش یا وصیت!

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ

حدیثِ نبویؐ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضورؐ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں ——— اور ہم سن رہے ہیں

اگر ایسا کیا گیا ——— تو

قلب و روح کو اُن انوار و برکات اور اُن ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبویؐ کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رُوحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی ——— اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ انداز ادب حدیث نبویؐ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے

——— اللہ تعالیٰ راقم سطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے

آخری بات اللہ کی حمد اور اُس کا شکر ہے اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حُسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ ——— محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ ——— اپریل ۱۹۷۵ء

ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں

نومولود بچّہ کے کان میں اذان :——

(۱) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ —— رواہ الترمذی و ابوداؤد

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (اپنے نواسے) حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا جب (آپ کی صاحبزادی) فاطمہ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت ابُورافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان میں صرف اَذَان پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابویعلی موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نومولود بچّہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی، اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچّہ اُمّ الصّبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچّہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل ودماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید

معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت :——

یہ دونوں باب (معاشرت و معاملات) اِس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایتِ ربّانی اور خواہشاتِ نفسانی، اور احکامِ شریعت اور دُنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہے، اِسلئے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری اور اُس کے رسُولؐ اور اس کی شریعت کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی، ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور رُوح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کرسکتا۔

معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات

اِس تمہید کے بعد ہم پہلے معاشرت کے سلسلہ کی حدیثیں پیش کرتے ہیں نکاح و طلاق اور عدّت و نفقہ وغیرہ سے متعلق احادیث بھی اس ضمن میں درج ہوں گی۔

معاشرتی احکام و ہدایات کا سلسلہ بچّے کی پیدائش ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ اسلئے ہم انہی حدیثوں سے اس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں جن میں پیدائش ہی کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں، اور بتلایا گیا ہے کہ پیدا ہونے والے بچّے کے بارے میں ماں باپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ اُن کیلئے خیر و برکت کی دُعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے ـــــ (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِي فِيهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء میں اُن کے ولادت ہوئی، اور عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے کہتی ہیں کہ میں بچے کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اُس کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے چھوارہ منگوایا اور اُس کو چبایا پھر اپنا لعاب دہن اُس کے مُنھ میں ڈالا اور پھر اُس کے تالو پر ملا، پھر اُس کے لئے دُعا کی اور برکت سے نوازا، اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا (جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا)۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صحیح بخاری کی اِس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت

اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُس کے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے ـــــ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اسلئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے وقت نومود مسلمان بچے کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی، اور جب عُمر پوری کرنے کے بعد اُس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلا دیا اور جتلا دیا کہ مومن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور وہ بس اس طرح گزرنی چاہیئے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اُس کی تیاری میں گزرتی ہے ـــــ نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اُس کے کان میں اذان دی جائے، اور آخری حق یہ ہے کہ اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دُعائے برکت :ـــــ

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نومولود بچے آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ اُن کے لئے خیر و برکت کی دُعا فرما دیں، اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مَل دیں، اور اپنا لُعاب دہن اُس کے مُنہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو ـــــ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

UPD 297.13 MUH

(۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

L10582

ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

(۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَنُحَلِّقُ رَأْسَهُ وَنُلَطِّخُهُ بِزَعْفَرَانٍ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اُس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کرا کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں ——— (سنن ابی داؤد)

اور اسی حدیث کی رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ ہم بچے کا نام بھی رکھتے ہیں۔

(۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ فَإِذَا حَلَقُوا رَأْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوهَا عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوقًا۔

رواہ ابن حبان فی صحیحہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ

عبداللہ بن زبیرؓ کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خاص کر اسلئے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ اُن کے بچے پیدا ہی نہ ہوں گے ——— عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے وہ ذلیل ہوئے۔

کتب حدیث میں "تحنیک" کے بہت سے واقعات مروی ہیں ——— ان سے معلوم ہوا کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس اُس کو لے جائیں، اس کے لئے خیر و برکت کی دُعا بھی کرائیں اور "تحنیک" بھی کرائیں۔ یہ اُن سنّتوں میں سے ہے جن کا رواج بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

عقیقہ:———

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملّتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لیکے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے، اور اُس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملّتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ہے) ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب

(۶) عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اُنَاثًا ۔

رواہ الترمذی والنسائی

اُمِّ کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ (عقیقہ کے بارے میں) فرمارہے تھے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ ——— (جامع ترمذی سنن نسائی)

(۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً ——— رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے بچہ پیدا ہو، اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے، تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے ——— (سنن ابی داؤد سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض و واجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ——— اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے ورنہ ایک بھی کافی ہے ———

آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اُس کے سر پہ رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے، یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو" ——— (صحیح جبان)

(تشریح) خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کیجاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا۔ چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اور یہ بنیادی طور پر شریعتِ اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا، اور غالباً مناسکِ حج کی طرح ملتِ ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اِسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ غالباً لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے[1]۔ البتہ دونوں صنفوں میں جو قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانونِ شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

---

[1] ان الیهود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجارية فعقوا عن الغلام شاتين و عن الجارية شاة ——— رواه البيهقي في شعب الايمان عن ابي هريرة مرفوعاً۔ (کنز العمال) جلد ۸ ص ۲۷۲

کے ساتھ ساتویں دن بچّے کا نام بھی رکھا جائے ـــــ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض بچّوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا، اسلئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام بھی رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے اُن کا مطلب یہی سمجھنا چاہیئے۔

(۹) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى ـــــ رواہ البخاری

حضرت سلمان بن عامر الضبیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بچّے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچّہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچّے کی طرف سے قربانی کرو اور اُس کا سر صاف کرادو ـــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچّے کا سر منڈوا دینا اور دوسرا اُس کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے، اور یہ ملّتِ ابراہیمیؑ کے شعائر میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے، اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ہے، اور یہ بچّہ بھی ملّتِ ابراہیمیؑ ہی کا ایک فرد ہے۔

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں ایک ہی ایک بکری کی قربانی کی تھی۔

(۸) عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی

حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اس کا سر منڈوا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) عقیقہ کے جانور کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اسلئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کرا دینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کرا دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ

بھی کچھ کم تھے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچّے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے، اسلئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرما دیا کہ بچّے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں۔ تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

تسمیہ (نام رکھنا) :———

بچّے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔ احادیثِ نبویؐ میں اس بارے میں بھی واضح ہدایات وارد ہوئی ہیں۔

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُحْسِنَ اِسْمَهٗ وَيُحْسِنَ اَدَبَهٗ ——— رواه البيهقي في شعب الايمان

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حُسنِ ادب سے آراستہ کرے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۰) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا۔

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اسلئے کی کہ اُس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح اُن لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی ——— اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابلِ ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۱) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَّقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِيْ رَأْسَهٗ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ

رواہ الترمذی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی، اور آپ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو، ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم برابر یا اس سے

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "سَمُّوا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ" (یعنی پیغمبروں کے ناموں پہ نام رکھو)۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے، جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام مُنذِر رکھا ——— الغرض اس باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور آپ کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

حُسنِ ادب اور دینی تربیت :———

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں اُن کے خاتم سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چند روزہ دُنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اُخروی زندگی کی تمہید اور اُس کی تیاری کے لئے ہے جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے، اور جو کبھی ختم نہ ہوگی ——— اِس نقطۂ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر صاحبِ اولاد پر اُس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصوروار ہوگا ———

اِس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے! :———

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا یَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ اِسْمُهٗ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَهٗ ——— رواہ ابو الشیخ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے، اسلئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے ——— (ابو الشیخ)

(۱۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَكُمْ ——— رواہ احمد وابو داؤد

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔

——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَی اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ——— (رواہ مسلم)

(تشریح) عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے، اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور یہ چیز اللہ کو پسند ہے ———

(۱۷) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ ـــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب و اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا ـــــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ اُن کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

(۱۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوْا آدَابَهُمْ ـــــــــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو، اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) اُن کو حسن ادب سے آراستہ کرو ـــــــــــ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اولاد کا اکرام یہ ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اُس کی امانت سمجھ کر اُن کی قدر اور اُن کا لحاظ کیا جائے حسب استطاعت اُن کی ضروریاتِ حیات کا بندوبست کیا جائے۔ اُن کو بوجھ اور مصیبت نہ سمجھا جائے۔

(۱۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ ـــــــــــ رواہ ابوداؤد ورواہ فی شرح السنۃ عن بسرۃ بن معبد

(۱۶) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہلواؤ۔ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اُس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حسین بن علی کی متذکرۂ بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے ——— حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے، اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو ——— آگے یہ بھی ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقتِ آخر آئے تو اُس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے ———

بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے، اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو ——— اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :——

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ	جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ	ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے، تو وہ
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ	دل مسوس کے رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ	چھپتا پھرتا ہے، ان کو منہ نہیں دکھانا
سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ	چاہتا، اس برائی کی وجہ سے جس کی
اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ	اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے، کیا اس
اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ	نومولود بچی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے
(النحل۔ ع ۷)	یا اس کو کہیں لیجا کے مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں اُن عربوں کا ظالمانہ رویّہ جن میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیشِ نظر رکھ کے اس بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھئے! :——

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَتْ لَهٗ اِبْنَةٌ فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا —— يَعْنِى الذُّكُوْرَ —— اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ ——

—— رواہ احمد والحاکم فی المستدرک

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اُسے کوئی ایذا پہونچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے، اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اُس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کیساتھ کرتا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو، اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار اور باشعور ہو جاتے ہیں، اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے، اور اس کے لئے اُن سے نماز کی پابندی کرانی چاہئے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آجاتا ہے، اُس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے، اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہئے۔ نیز اس عمر کو پہونچ جانے پر ان کو الگ الگ سُلانا چاہئے، ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سُلانا چاہئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی، اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی اہمیّت :———

آج تک بھی بہت سے علاقوں اور طبقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے، اور اسکے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے، لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بیچاری لڑکی کو باعثِ ننگ و عار تصوّر کیا جاتا تھا، اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے قسی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے، یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے ———

سامان بنیں گی" ـــــ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرما دی جائے گی، اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دے دی، اور ایک خود کھانے کیلئے اپنے منھ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا، تو اس نے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کرکے دونوں بچیوں کو دے دی ـــــ حضرت عائشہؓ اس کے اس طرزِ عمل سے بہت متاثر ہوئیں، اور انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ: ـــــ "اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرما دیا" ـــــ ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہوگیا ہو۔

(۲۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ ـــــ رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـــ جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہونچ جائیں، تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے ـــــ راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا

تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حُسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنّت عطا فرمائے گا۔

(مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اُس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لئے آئی، اُس کے ساتھ اُس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے اُن کے پاس اُس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اُس بیچاری کو دے دی۔ اُسنے اُسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے، اور خود اُس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔ "جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا

بذاتِ خود بھی مطلوب ہے، اور اُس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اِسکے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم، تو اُن میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور تقوے کے لئے تباہ کن اور ہزار فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت و کدورت پیدا ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں، اور اس رَوِیّہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اس باب میں مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھیئے! :——

(۲۴) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَحَلْتُ اِبْنِيْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ؟ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ ——— وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ اِبْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ

(یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے) ——— (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلٰثَ اَخَوَاتٍ اَوْ اُخْتَیْنِ اَوْ بِنْتَیْنِ فَاَدَّبَھُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ وَزَوَّجَھُنَّ فَلَہُ الْجَنَّۃُ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کیلئے جنت کا فیصلہ ہے ——— (سنن ابی داود، جامع ترمذی)

(تشریح) ان حدیثوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کو لڑکیوں کا صرف حق ہی نہیں بتلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلۂ جنت اور عذابِ دوزخ سے نجات کا آپ نے اعلان فرمایا، اور یہ انتہائی خوش خبری سنائی کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہلِ ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔

داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے: ———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ خاص کر داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے ——— یہ چیز

ارشاد فرمایا:- فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) ۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور ہبہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے: حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:- میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جَوْر یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل و قرائن کی بناء پر) اس کو حرام تو نہیں لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے ہو جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جد و جہد نہیں کر سکتا تو اس کے ساتھ خصوصی سلوک عدل و انصاف کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین و ملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جد و جہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز بلکہ باعث اجر ہوگا۔ علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

(۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ

لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لیکر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے (بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، بہرحال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: "کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟" انھوں نے عرض کیا کہ: — نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے)۔ آپ نے فرمایا: — پھر یہ تو ٹھیک نہیں۔ اور فرمایا کہ: — اس کو واپس لے لو ——— اور ایک روایت میں ہے کہ: — کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری سب اولاد یکساں طور پر تمھاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے؟ ——— انھوں نے عرض کیا کہ: — ہاں! حضرتؐ یہ تو ضرور چاہتا ہوں! — تو آپ نے فرمایا: — پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) ——— اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے) کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد نعمانؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لئے کچھ ہبہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ میں حضورؐ کو اس کا گواہ بنا دوں (اور اس طرح حضورؐ کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ: — کیا تم نے اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے؟ — انھوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا)۔ آپ نے

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے، پھر جب وہ سن بلوغ کو پہونچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے، اگر (اُس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہونچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں اولاد کے قابلِ شادی ہو جانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بیحد بھاری اور پوجھل بنا لیا ہے اور ان کے رسم و رواج کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کئے تھے، تو یہ کام اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنا، اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

ماں باپ کے حقوق اولاد پر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور

كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ ۔

رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر

دادو دہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی اگر مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے) ——— (سنن سعید ابن منصور، معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہٰذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

نکاح اور شادی کی ذمہ داری: ———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے، اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

(۲۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَاَدِّبْهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

ماں باپ اولاد کی جنّت اور دوزخ ہیں :——

(۲۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِھِمَا قَالَ ھُمَا جَنَّتُکَ وَنَارُکَ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ :۔ حضرتؐ! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ وہ تمھاری جنّت اور دوزخ ہیں ۔

——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری وخدمت کروگے اور ان کو راضی رکھوگے تو جنّت پالوگے، اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذارسانی کرکے انھیں ناراض کروگے اور ان کا دل دکھاؤگے تو پھر تمھارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا ۔

اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے :——

(۲۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے ——— (جامع ترمذی)

اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی بتلائے، بلکہ اس کو آپ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں جزوِ ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا ہوا صحیفۂ ہدایت ہے، اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے ——— سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا	اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ	صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ	اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا
(بنی اسرائیل۔ ع ۳)	برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۔

(سورۂ لقمان۔ ع ۲)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

(تشریح) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا گیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ "مَنْ أَبَرُّ؟" (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس سارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے؟۔ تو آپ نے فرمایا کہ "أُمَّكَ" (تمہاری ماں کا) ۔ انھوں نے پوچھا "ثُمَّ مَنْ؟" (پھر کس کا حق ہے)۔ آپ نے پھر فرمایا "أُمَّكَ" (تمہاری ماں کا)۔ انھوں نے پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا "أُمَّكَ"۔ انھوں نے اس کے بعد پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟)۔ تو چوتھی دفعہ میں آپ نے فرمایا: "أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ" یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اسلئے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم سے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے ——— قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی اُن تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت

(تشریح) حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے، اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضاجوئی شرط ہے، اور والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے، لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کیلئے استعمال ہوتا ہے (ماں کے لئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) ——— اس بنا پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحۃً نہیں آیا ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ :———

(۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ۔

——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- مجھ پر خدمت اور حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ - آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو اُن کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔

وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے، اور پھر اُن کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہونچ سکے، بلاشبہ وہ بڑا بدنصیب اور محروم ہے، اور ایسوں کے حق میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل وخوار ہوں، رسوا ہوں۔

ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم:۔

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُجَاهِدُ، قَالَ اَلَكَ اَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ ایک شخص رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟۔ اس نے کہا:۔ ہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے ——— (سنن ابی داؤد)۔

(تشریح) غالباً رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہوگیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں، اور یہ ان کو چھوڑ کے اُن کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے، کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے، اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ہیں، اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنیوالے بدبخت اور محروم

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ آدمی ذلیل ہو، وہ خوار ہو، وہ رسوا ہو، ۔عرض کیا گیا، یارسول اللہ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے)۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ بدنصیب، جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کرکے) جنت حاصل نہ کرلے۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اوپر درج ہوچکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں (یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اسکے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخی بنادیتی ہے)۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہونچ کے از کار رفتہ ہوجائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہونچنے کا سیدھا زینہ ہے ——— پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور

خبر گیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہوگی۔

جنّت ماں کے قدموں میں ہے:

(۳۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا ——— رواه احمد والنسائی

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: "میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں" آپ نے اُن سے پوچھا:۔ کیا تمہاری ماں ہیں؟۔ انھوں نے عرض کیا: "ہاں! ہیں"۔ آپ نے فرمایا:۔ تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، اُن کے قدموں میں تمہاری جنّت ہے ——— (مسند احمد، سنن نسائی)

(۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِمْتُ فَرَاَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ۔

——— رواه البغوی فی شرح السنة والبیهقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنّت میں ہوں،

کے ساتھ جو صحابۂ کرامؓ جہاد کرتے تھے ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

(۳۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْیَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ اَحَدٌ بِالْیَمَنِ ؟ فَقَالَ اَبَوَایَ، فَقَالَ اَذِنَا لَكَ ؟ قَالَ لَا، قَالَ اِرْجِعْ اِلَیْهِمَا فَاسْتَاْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَاِلَّا فَبِرَّهُمَا ـــــ رواہ ابوداؤد واحمد

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا، تو آپ نے اس سے پوچھا:۔ کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے ؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ ہاں میرے والدین ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا:۔ کیا انھوں نے تم کو اجازت دی ہے ؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو ؟)۔ اس نے عرض کیا:۔ ایسا تو نہیں ہے آپ نے فرمایا:۔ تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ، اور یہاں آنے کی (اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو، پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں، تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ، اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ـــــ (سنن ابی داؤد، مسند احمد)

(تشریح) ہجرت کرکے آنے والوں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جو عام مستقل رویہ اور اسوۂ حسنہ تھا اس کی روشنی میں اس قسم کی تمام احادیث کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق اس صورت سے ہے جب ماں باپ خدمت کے سخت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو، اور اس وجہ سے وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور

اس کی برکت سے تمھاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمھیں معاف فرمادے گا) ــــ

ــــــــــــــــــــــــــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے غضب اور اُس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے، اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرمادے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمالِ صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ) لیکن بعض اعمالِ صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور اُن سے راضی ہو جاتا ہے۔

خدمت اور حُسنِ سلوک کافر و مشرک ماں کا بھی حق ہے:ــــ

(۳۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ مُشْرِکَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلِیْهَا ــــــــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریشِ مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانہ میں، میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینے میں) میرے پاس آئی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! میری ماں میرے

وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سُنی، تو میں نے دریافت کیا کہ :—
"اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے ؟"، تو مجھے بتایا گیا کہ
"یہ حارثہ بن النعمان ہیں" —— ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری
ایسی ہی چیز ہے، ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ (رسُول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے
بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے (یعنی اسی عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اُن کی قرأت سُنی)۔

—— (شرح السنہ للبغوی و شعب الایمان للبیہقی)

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ :——

(۳۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ ؟ قَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ ؟ قَالَ لَا قَالَ وَھَلْ لَکَ مِنْ خَالَۃٍ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّھَا —— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ :— حضرت ! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپ نے پوچھا :— تمہاری ماں زندہ ہے ؟ — اس نے عرض کیا کہ :— ماں تو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے ؟ — اس نے عرض کیا کہ :— ہاں خالہ موجود ہے آپ نے فرمایا :— تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ

نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو، جو ماں کا حق ہے (نَعَمْ صِلِيهَا)۔

اوپر قرآن مجید کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور وہ اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں اور دباؤ ڈالیں تو اولاد اُن کی یہ بات تو نہ مانے، لیکن ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک برابر کرتی رہے۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد اُن کے خاص حقوق :——

اولاد پر ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے کچھ اور حقوق عائد ہو جاتے ہیں، جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا وسیلہ ہے۔

(۳۷) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبِرُّهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا۔

رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ میں کے ایک شخص آئے، اور

پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہشمند ہے، تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اس کی خدمت کرو (اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں، ان کی ماں کا نام روایات میں قُتَیْلَہ بنتِ عبدالعزیٰ ذکر کیا گیا ہے (جن کو حضرت ابوبکرؓ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا؛ بہرحال اسلام کے دور میں یہ اُن کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے پرانے مشرکانہ طریقے ہی پر قائم رہیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب مشرکینِ مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہوگئی تو حضرت اسماء کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینے آئیں۔ حضرت اسماء نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: "مجھے ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے، کیا ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے میں ان سے "ترکِ موالات" کروں، یا ماں کے رشتے کا لحاظ کرکے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟" آپ نے حکم دیا کہ:۔ ان کی خدمت کرو، اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔

حدیث میں "رَاغِبَۃٌ" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اس عاجز نے خواہشمند کیا ہے، اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسماء نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہشمند ہو کر آئی ہیں، یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کروں۔ بعض شارحین نے اس کا ترجمہ منحرف اور بیزار بھی کیا ہے اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ میری ماں ملنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے منحرف اور بیزار ہیں، ایسی صورت میں ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ماں ہونے کی وجہ سے اُن کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں، یا بے تعلقی اور بے رخی کا رویہ اختیار کروں ——— بہرحال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھائیوں اور اہلِ محبت کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ابھی اوپر حضرت ابو اُسید ساعدی کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے اس میں ماں باپ دونوں کے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اہلِ محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

(۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْا لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:— ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں اُن کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم رہی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دُعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے)۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک اعلیٰ درجے کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اُن کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دُعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف

انھوں نے دریافت کیا کہ :۔ یا رسُول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو اُن کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئیں؟ ۔ آپ نے فرمایا :۔ "ہاں! اُن کے لئے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا، ان کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا، اُن کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا، اُن کے تعلق سے جو رشتے ہوں اُن کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا، اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا ــــــــــ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصِلَ اَبَاهُ فِيْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ اَبِيْهِ بَعْدَهٗ ــــــــــ رواہ ابن حبان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہونچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ رکھے، جو رکھنا چاہئے ــــــــــ (صحیح ابن حبان)

(۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ باپ کی خدمت اور حُسنِ سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد اُن کے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے ــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے

(تشریح) اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

(۴۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُّوْا آبَاءَكُمْ يَبِرَّكُمْ اَبْنَاءُكُمْ وَعِفُّوْا تَعِفَّ نِسَاءُكُمْ ——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار ہوگی، اور تم پاکدامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی ——— (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنا دے گا، اسی طرح جو لوگ پاکدامنی کی زندگی گذاریں گے اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاکدامنی کی توفیق دے گا۔

والدین کی نافرمانی و ایذا رسانی عظیم ترین گناہ :———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ماں باپ کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے (جو جنت اور رضائے الٰہی کا خاص وسیلہ ہے)۔ اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کو "اکبر الکبائر" یعنی بدترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے

اس سے اولاد کے اُن قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں اُن سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے ——— قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا	اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ:۔ اے
رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۔	پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما
(بنی اسرائیل ع ۲)	جس طرح انھوں نے مجھے بچپنے میں
	(شفقت کے ساتھ) پالا تھا!

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دُنیوی برکات: ———

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزا تو جنت اور رضائے الٰہی ہے جیسا کہ اُن احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو "ماں باپ کے حقوق" کے زیرِ عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں، لیکن رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ کچھ خاص برکتوں سے اِس دُنیا میں بھی نوازتا ہے۔

(۴۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ فِيْ عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهٖ وَالِدَيْهِ۔

——— رواہ ابن منیع وابن عدی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حُسنِ سلوک کی وجہ سے آدمی کی عُمر بڑھا دیتا ہے ——— (مسند ابن منیع، کامل ابن عدی)۔

گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے، (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا، اور یہ گناہِ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے ——— اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے، اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہئے۔

دوسرے اہلِ قرابت کے حقوق اور صلۂ رحمی کی اہمیت:۔

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے، اور "صلۂ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے ——— قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "وَذِی الْقُرْبٰی" فرما کر دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور ان کے حقوقِ قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے ———

ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ:۔ "خدمت اور حُسنِ سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے، اس کے بعد باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے

بتلایا ہے۔

(۴۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْکَبَائِرِ فَقَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ۔

رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون گناہ ہیں) تو آپ نے فرمایا کہ:- خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی وایذارسانی، کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" (یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ) بتایا گیا ہے، اور جس ترتیب سے آپ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد والدین کے عقوق (یعنی ان کی نافرمانی اور ایذارسانی) کا درجہ ہے، حتّٰی کہ قتل نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَھَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ؟ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ فَیَسُبُّ اُمَّہٗ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ

کے ساتھ حسنِ سلوک کی) کتنی اہمیت ہے، اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی محرومی ہے ـــــ آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مضمون بھی اسکے قریب ہی قریب ہے۔

(۴۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَ بَتَتُّهٗ ـــــ

ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ میں اللہ ہوں، میں اَلرَّحْمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادّہ سے نکال کر اس کو رَحِم کا نام دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

ـــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رحِم مقرر کیا ہے، جو اس کے نامِ پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادّہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلۂ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنالے گا اور فضل وکرم سے نوازے گا) اور اسکے برعکس

اہلِ قرابت کا" ——— اب یہاں چند وہ حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلۂ رحمی کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں، یا اس کے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ۔

——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا، اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔

——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک رحمٰن سے اور اس کی صفتِ رحمت سے خاص نسبت ہے، اور وہی اس کا سرچشمہ ہے، اور اسی لئے اس کا عنوان رحم مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے عند اللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلۂ رحمی کریگا (یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا، اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا) اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کرلے گا اور اپنا بنالے گا، اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا، اور دُور اور بے تعلق کردے گا ——— اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں صلۂ رحمی کی (یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت

یعنی اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک وہ مُبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عُمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلۂ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہلِ قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصّہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صِلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرینِ قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی اُلجھنیں جو زیادہ تر حقوقِ قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کُڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متأثر کرتی ہیں، لیکن جو لوگ اہلِ خاندان اور اقارب کیساتھ نیکی اور صلۂ رحمی کا برتاؤ کرتے، اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں اُنکی زندگی انشراح و طمانیت اور خوشدلی کے ساتھ گزرتی ہے، اور ہر لحاظ سے اُن کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضلِ خداوندی اُن کے شاملِ حال رہتا ہے۔

قطعِ رحمی جنّت کے راستے میں رکاوٹ :

(۴۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنّت میں نہ جاسکے گا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جو کوئی قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے اُن حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑے گا یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آ رہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلۂ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے، اور اس باب میں ہمارا طرزِ عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلۂ رحمی کے بعض دُنیوی برکات:

(۴۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو، اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اپنی قرابت کے ساتھ) صلۂ رحمی کرے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اِس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے ——— اِس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلۂ رحمی

قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے برعکس جب اُن کے ساتھ صلۂ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے اُمید ہے کہ دیر سویر اُن کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلۂ رحمی کو فروغ ہوگا۔

(تشریح) اسی ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلۂ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا۔ ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا یا کسی درجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے گا تو جا سکے گا، جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی :-

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا، اہلِ قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

(۴۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا ——— (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- وہ آدمی صلۂ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلۂ رحمی کرنیوالے اپنے اقربا کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلۂ رحمی کرتا ہے۔ صلۂ رحمی کا حق ادا کرنیوالا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلۂ رحمی کرے (اور قرابت داروں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم (اور حق تلفی) کا معاملہ کریں۔

——— (صحیح بخاری)

(تشریح) ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر

اس باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے ——— اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر و تحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاص کر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بیچاری بیوی کی حیثیت ایک خرید کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا ——— اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھئے: ———

بیوی پر سب سے بڑا حق اُسکے شوہر کا ہے: ———

(۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْاَةِ زَوْجُهَا وَاَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ اُمُّهٗ۔

——— رواہ الحاکم فی المستدرک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے، اور مرد پر

میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اُس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری اور باہمی اُلفت واعتماد پر موقوف ہے ــــ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اُن کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو دل جڑے رہیں۔ اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں ــــ

اَنْ یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَحَ	کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے
لِبَشَرٍ اَنْ یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ	اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ	حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ
تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا مِنْ	کیا کرے، کیونکہ اس پر اسکے شوہر کا
عَظْمِ حَقِّہٖ عَلَیْھَا (الحدیث)	بہت بڑا حق ہے۔

(۵۳) اور سنن ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے حضرت معاذ بن جبل کے ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔۔۔۔۔

"مشہور انصاری صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا:۔۔۔۔۔

"مَا ھٰذَا یَا مُعَاذُ؟" (معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟)

انھوں نے عرض کیا کہ۔۔ میں شام گیا تھا، وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی پیشواؤں، پادریوں کو اور قومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔۔ ایسا نہ کرو۔۔۔۔۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔۔۔۔۔

فَاِنِّیْ لَوْ کُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا	اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور
اَنْ یَّسْجُدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ	کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ	عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو
تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا (الحدیث)	سجدہ کرے۔

(۵۴) اور سنن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسول اللہ

سب سے بڑا حق کس کا ہے ۔ ——— (مستدرک حاکم)

اگر غیر اللہ کے لئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا :———

(۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :— اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا۔ — حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اُس کے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اُسکی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

(۵۲) اور امام احمد نے مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے :— ———

لَا یَصْلُحُ لِبَشَرٍ کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے

(۵۵) اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی وہ اس طرح آپ کے حضور میں جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ: ـــ یا رسول اللہؐ اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ کے لئے سجدہ کرتے ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں ـــــ آپ نے اُن سے فرمایا: ـــــ

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا	عبادت اور پرستش بس اپنے رب کی کرو
اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمِرُ	اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا) بس اکرام
اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ	واحترام کرو، اور اگر میں کسی کو کسی دوسری
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ	مخلوق کیلئے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو
لِزَوْجِهَا ... ... (الحدیث)	کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے ... الخ

ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوی پر شوہر کے حق کے بارے میں یہ سجدے والی بات مختلف موقعوں پر اور بار بار فرمائی۔

ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کے لئے: ـــــ

ان سب حدیثوں سے یہ بات بھی پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ شریعتِ محمدیؐ میں سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، اُس کے سوا کسی دوسرے کے لئے حتّٰی کہ افضلِ مخلوقات سیّد الانبیا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کسی طرح کے سجدہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معاذ یا قیس بن سعدؓ یا جن دوسرے صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدے کے بارے میں

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن سعد سے روایت کیا گیا ہے ——— وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ :———

"میں حیرہ گیا تھا (یہ کوفہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ پھر جب میں (سفر سے لوٹ کے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہی بات عرض کی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا :———

اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ	بتاؤ اگر (میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر
اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ ؟ فَقُلْتُ	کے پاس سے گزرو گے تو کیا میری قبر کو بھی
لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا،	سجدہ کرو گے؟۔ (قیس کہتے ہیں) میں نے
لَوْ کُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا	عرض کیا کہ نہیں (میں آپ کی قبر کو تو سجدہ
اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَا	نہیں کروں گا) تو آپ نے فرمایا ایسے ہی اب بھی
مَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ یَّسْجُدْنَ	نہ کرو۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اگر میں
لِاَزْوَاجِھِنَّ لِمَا	کسی کو کسی دوسری مخلوق کیلئے سجدہ کرنے
جَعَلَ اللّٰہُ لَھُمْ عَلَیْھِنَّ	کیلئے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں
مِنْ حَقٍّ ———	کو سجدہ کیا کریں، اس عظیم حق کی بنا پر جو

اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔"

لہ اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں، ایک دن وفات پاکر قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدے کے لائق نہ سمجھو گے، پھر مجھے سجدہ کیونکر روا ہو سکتا ہے سجدہ تو اس ذات کے لئے روا ہے جو "حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ" ہے اور جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ ۱۲

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ" (نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور امانت کی) حفاظت کرتی ہیں) ——— اگر عورت شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہوگی، جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضاجوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

(۵۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ ——— رواه ابونعیم فی الحلیۃ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:— عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اُسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو ——— (حلیہ ابونعیم)

(تشریح) اِس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کیلئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان و فرائض کی۔

(۵۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ

عرض کیا تھا وہ سجدۂ تحیہ ہی کے بارے میں عرض کیا تھا (جس کو لوگ سجدۂ تعظیمی بھی کہہ دیتے ہیں) اس کا تو شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان صحابہؓ نے معاذ اللہ سجدۂ عبادت و عبودیت کے بارے میں عرض کیا ہو۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا اور آپ کی دعوتِ توحید کو قبول کر چکا اس کو تو اس کا وسوسہ بھی نہیں آ سکتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدۂ عبادت کرے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان حدیثوں کا تعلق خاص کر سجدۂ تحیہ ہی سے ہے۔ اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کسی مخلوق کے لئے سجدۂ تحیہ بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ اپنے بزرگوں، مرشدوں کو، یا مرنے کے بعد ان کے مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ بہرحال شریعتِ محمدیؐ کے مجرم اور باغی ہیں اور اُن کا یہ عمل صورۃً بلاشبہ شرک ہے۔

[غیر اللہ کے لئے سجدے کے بارے میں یہاں جو چند سطریں لکھی گئیں، یہ مندرجۂ بالا احادیث کی تشریح کا ضروری حق اور تقاضا تھا، اب اصل موضوع (یعنی بیوی پر شوہر کے حقوق) سے متعلق بقیہ احادیث پڑھئے]

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری :——

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اُس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں، اور ظاہر ہے کہ اپنی فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعتِ محمدیؐ میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں —— فرمایا گیا ہے: "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) —— اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:- وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اور اپنے ستاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں، اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے:-

وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے اُن کو اللہ کی اَمان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اُسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو اُن کو (تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر اُن کے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے بااختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پروا ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ اُن کے اور اُن کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں، اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی اَمان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی اَمان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے ——— "اَخَذْتُمُوهُنَّ

دَخَلَتِ الْجَنَّةَ ـــــــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو عورت اِس حالت میں دُنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی ـــــــــــــــ (جامع ترمذی)

تشریح :- اِس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار واضح کی جا چکی ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص عمل پر جنّت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا صِلہ جنّت ہے اور اس کا کرنے والا جنّتی ہے، لیکن اگر بالفرض وہ عقیدہ یا عمل کی کسی ایسی گندگی میں ملوث ہو جس کی لازمی سزا دوزخ کا عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کا اثر بھی ظاہر ہو کے رہے گا ـــــ اسی روشنی میں حضرت اُمّ سلمہؓ کی اس حدیث کا مطلب سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہاں یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اگر کوئی شوہر ناواجب طور پر اپنی بیوی سے ناراض ہو تو اللہ کے نزدیک بیوی بے قصور ہوگی، اور ناراضی کی ذمہ داری خود شوہر پر ہوگی۔

(یہاں تک وہ حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں بیویوں پر شوہروں کا حق بیان کیا گیا ہے، اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب وہ حدیثیں پڑھئے جن میں شوہروں کو بیویوں کی رعایت اور دلجوئی و دلداری اور بہتر رَویّہ کی تاکید فرمائی گئی ہے)۔

بیویوں کے حقوق اور اُنکی رعایت و مدارات کی تاکید :ـــــ

(۵۸) عَنْ جَابِرٍ (فی حدیث طویل فی قصة حجة الوداع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبتہٖ یوم عرفة) اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ

شدت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو۔ "غیر مبرح" کا یہی مطلب ہے۔
آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہروں پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں ـــــ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وصیت :ـــــ

(۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :ـ لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اُسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کروگے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اِسلئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں عورتوں کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے :ـ اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ

بِاَمَانِ اللّٰہِ" کا یہی مطلب ہے ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص اَمان حاصل ہو جاتی ہے ـــــ یہ عورتوں کے لئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی اَمان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انھیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں ـــــ "وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ" کا یہی مطلب ہے[1] آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو اُن کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کیلئے مناسب سمجھیں تو اُن کو سزا دیں، لیکن

---

[1] اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا، حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں، اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہر کو ناپسند ہو۔ الغرض "لا یوطئن فرشکم" کا یہی مطلب ہے ـــــ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ :- اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا بھی حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو [ضربًا غیر مبرّح] ـــــ جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے۔ ۱۲

آپ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

(۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں اُن پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت سمجھے، یہ مومن شوہر کی صفتِ ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے ——— اسی صورتِ حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى	سے گزران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں
اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ	تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو
يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا	اور اللہ نے اس میں بہت خیر و خوبی
كَثِيْرًا ——— (النساء۔ ع ۳)	رکھی ہو۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط:———

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

مِنْ ضِلَعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہرصورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے[1]، جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصّے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصّے میں ہوتا ہے، جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے ——— آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر یونہی چھوڑ دوگے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدّد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آجائے، اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کریگا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتۂ ازدواج کا خاص مقصد ہے، اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں، اِس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی، یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے اس پر کاربند ہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمۂ کلام پر پھر فرمایا: "فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ" ——— اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے:- معناہ اقبلوا وصیتی واعملوا بھا فی النساء وان فی خلقھن عوجا وسوءًا وھو کالامر اللازم بمنزلۃ ما یتوارثہ الشئ من مادتہ وان الانسان اذا اراد استیفاء مقاصد المنزل منھا لا بدان یجاوز عن محقّرات الامور ویکظم الغیظ فیما یجدہ خلاف ھواہ ... ... الخ
حجۃ اللہ البالغہ - ص۱۳۵ (جلد ۲)

نیز مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتا ہوں ——— واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہونگی۔

(۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی نکاح و رخصتی کے بعد آپ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لئے میرے پاس یہاں بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرما دیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آکے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں ——— (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ ——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاصکر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو ——— (جامع ترمذی)

(۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں، اور (واقعہ میں اور اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں ——— (جامع ترمذی)

بیویوں کے ساتھ رسول اللہ کا معیاری اور مثالی برتاؤ: ———

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي ——— رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباس

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو ——— (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں ——— (جامع ترمذی)

گھر میں رکھنے کی اجازت کیوں دی؟ بعض شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گڑیوں سے کھیلنے کا یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ تصویروں کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، بعد میں جب تصویروں کے بنانے اور رکھنے کی سخت ممانعت کردی گئی تو گڑیوں کے بنانے اور کھیلنے کی بھی گنجائش نہیں رہی ——— لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گڑیاں تصویر کے حکم میں داخل ہی نہیں تھیں ——— وہ تو چودہ سو برس پہلے کی بات ہے، خود ہمارے اس زمانہ میں جبکہ سینے پرونے کے فن نے وہ ترقی کرلی ہے جو معلوم ہے، گھروں کی چھوٹی بچیاں اپنے کھیلنے کے لئے جو گڑیاں بناتی ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ تصویریت کے لحاظ سے وہ اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ اُن پر کسی طرح بھی تصویر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اسلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں کے بارے میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضورؐ کا حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ: ———

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهٗ فَسَبَقْتُهٗ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهٗ فَسَبَقَنِيْ قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی، اس کے بعد جب (فربہی سے) میرا جسم بھاری ہوگیا تو (اُس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اُس وقت آپ نے فرمایا: "یہ تمہاری اُس جیت کا جواب ہوگیا" ——— (سنن ابی داؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئی تھیں[1]، اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور انھیں اس سے دلچسپی تھی ــــ صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے: "وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَلُعَبُهَا مَعَهَا" (یعنی جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور ان کے کھیلنے کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیر تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انھیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں اُن کی اِس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرما دیتے۔ ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے۔

حضرت عائشہؓ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ

یہاں بعض ذہنوں میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ذی رُوح کی تصویر بنانا اور اس کا گھر میں رکھنا جائز نہیں اور اس پر صحیح حدیثوں میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ کو گڑیوں سے کھیلنے اور

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی جن ازواجِ مطہرات سے نکاح کیا وہ عموماً سن رسیدہ بیوائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہؓ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی۔ اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کے لئے کیا گیا تھا ان کی وضاحت کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ اتنا اشارہ یہاں بھی مناسب ہوگا کہ اُمّت کو ایک ایسی معلّمہ کی ضرورت تھی جس کی مکمل تربیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری محرم راز رہی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے حضرت عائشہؓ کا انتخاب فرمایا تھا، اور اسی لئے گویا بچپن ہی سے ان کو اپنی رفاقت اور تربیت میں لے لیا تھا۔ ۱۲

ان کی دلجوئی و دلداری کی انتہائی مثال ہے، اور اس میں اُمّت کے لئے بڑا سبق ہے۔

عید میں لہو و لعب کی بھی گنجائش

البتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ یہ عید کا دن تھا، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے[1]، اور عید میں لہو و لعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے ـــــ صحیحین اور دوسری کتب حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ:- ایک دفعہ عید کے دن رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے۔ دو بچیاں آئیں اور دف بجا بجا کر جنگِ بُعاث سے متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے، انھوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مُنہ کھول کر فرمایا: "دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ[2]" (ابوبکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یعنی جو کر رہی ہیں کرنے دو، یہ عید کا دن ہے) مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کے لہو و لعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔

الغرض زیرِ تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے اُس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ عید کا دن تھا، اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا اسی لئے خود حضورؐ نے بھی اس میں دلچسپی لی

علاوہ ازیں نیزہ بازی کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا جو فنِ جنگ کی تعلیم و تربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا، غالباً اسی لئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث

---

[1] و [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب العیدین۔ ۱۲

(تشریح) بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے اور اس بس ان لوگوں کے لئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی کوئی جگہ نہیں۔

حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو خود کھیل دکھایا:

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللّٰهِ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ لِاَنْظُرَ اِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجْلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں: —— خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے ان کا کھیل دکھانے کیلئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے اندازہ کرو کہ ایک نوعمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا —— صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حسن معاشرت اور

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہؓ کے دل میں کوئی بُرا خیال اور وسوسہ پیدا ہو، اسلئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا، اور جب بھی کسی عورت کے لئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا ناجائز نہیں ہوگا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب النکاح میں اسی حدیث پر "باب النظر الی الحبش ونحوهم من غیر ریبة" کا ترجمۃ الباب قائم کرکے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ تشفی بخش ہے۔ واللہ اعلم۔

کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کھلاڑیوں کو "دُونَکُمْ یَا بَنِیْ اَرْفِدَہ" کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے[1] ـــــ اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑی حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "دَعْهُمْ" (یعنی انھیں کھیلنے دو)۔ اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا: "اَمْنًا بَنِیْ اَرْفِدَہ"[2] (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)۔

پردہ کا سوال اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے، پھر انھوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دکھایا؟۔

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ:- یہ واقعہ اُس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا ـــــ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی، فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبّان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آچکا تھا ـــــ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی زیرِ تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا، اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔

---

[1] و [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب العیدین۔ ۱۲

یہانتک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔

_____ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ مسلسل ایسے تاکیدی احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بھی بنا دیا جائے گا، یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا _____ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لئے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ اللہ و رسولؐ کی محبت کی شرط اور اس کا معیار:-

(۶۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُكُمْ عَلٰی هٰذَا؟ قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ یُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ _____ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہؓ آپ کے وضو کا استعمالی پانی لے کر اپنے پر

ہمسایوں کے حقوق

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے، اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین و سکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے، اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہانتک کہ اس کو جزءِ ایمان اور داخلۂ جنّت کی شرط اور اللہ و رسولؐ کی محبّت کا معیار قرار دیا ہے ——— اِس سلسلہ میں آپ کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھئے! ۔

پڑوسی کے بارے میں حضرت جبرئیلؑ کی مسلسل وصیّت اور تاکید: ———

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ کے خاص قاصد) جبرئیلؑ پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیّت اور تاکید کرتے رہے

اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے ــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے)

وہ آدمی مومن اور جنتی نہیں جس کے پڑوسی اس سے مامون اور بےخوف نہ ہوں:-

(۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ــــــــــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ: "خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، خدا کی قسم! اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں" ــــ عرض کیا گیا کہ:- "یا رسول اللہ! کون شخص؟" (یعنی حضورؐ کس بدنصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں، اور اس میں ایمان نہیں؟) ــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بےخوف نہ ہوں" (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے)۔

ــــــــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت طلق بن علیؓ سے طبرانی نے معجم کبیر میں، اور حضرت انسؓ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے)۔

(تشریح) حدیث کے الفاظ میں غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے، اور جس وقت آپ نے یہ ارشاد

ملنے لگے۔ حضورؐ نے اُن سے فرمایا کہ: ۔تمھارے لئے اس کا کیا ماعث اور محرک ہے؟۔
انھوں نے عرض کیا کہ: ۔بس اللہ و رسُول کی محبت! ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ۔
"جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ و رسُول کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے
اللہ و رسُول کو محبت ہو تو اُسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے: ـــــ
بات کرے تو سچ بولے، جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو امانت داری کیساتھ
اس کو ادا کرے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے"
ـــــ (شعب الایمان للبیہقی)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمۂ ایمان: ـــــ

(۶۹) اَنَّ اَبَا شُرَيْحٍ الْعَدَوِيَّ قَالَ سَمِعَتْ اُذُنَايَ وَاَبْصَرَتْ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ ـــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے
رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ یہ فرما رہے تھے
اس وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا: ـــــ
"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی
کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے
لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

میں اب کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں، شاذ و نادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سُن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں، حالانکہ حضورؐ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے ـــــ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویّہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد "کتاب الایمان" میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں جن میں کسی عملی یا اخلاقی تقصیر اور کوتاہی کی بنا پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا جنت میں نہ جا سکنے کی وعید سنائی گئی ہے اُن کا مدعا اور مطلب کیا ہے اور شریعت میں ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے۔

وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو:ـــ

(۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِيْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهٖ ـــــ رواه البزار والطبراني في الكبير

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:ـ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔

ـــــ (مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے، اور حاکم نے

فرمایا ہوگا اُس وقت آپ کا حال اور آپ کے خطاب کا انداز کیا رہا ہوگا ——— بہرحال اس پُرجلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویّہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں، ان کے دلوں دماغوں میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو ——— اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

(۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔

——— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ آدمی جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذارسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویّہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بداطواریوں سے خائف رہتے ہوں وہ اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اور اس کی سزا پائے بغیر جنّت میں نہ جا سکے گا۔

(تشریح) ان دو حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں ہمسایوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لئے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مومن نہیں، یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جا سکے گا ——— افسوس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو (بشرطِ استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارکباد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہونچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے، اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اس کے بچوں کے لئے) باعثِ ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) اِلّا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیجدو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں) ——— (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعیّن حقوق بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے آخری دو خاص طور سے قابلِ غور ہیں:۔ ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اِس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اسکو تکلیف پہونچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی، اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو اُن کے لئے باعثِ ایذا ہوگی، اِسلئے یا تو اپنے پر لازم کرلو کہ اُس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھی بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور

"مستدرک" میں، ان کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت کیا ہے)۔

(ف) افسوس! ہم مسلمانوں کے طرزِ عمل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں اتنا بُعد اور فاصلہ ہوگیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبر کی ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اعلان فرمادیا ہے کہ:۔ جو شخص اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسئلوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز ہوکر زندگی گذارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا نہیں ہے ——— یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، بلکہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ یہ سارے حقوق غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی ہیں۔

ہمسائگی کے بعض متعیّن حقوق:——

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بعض متعیّن حقوق کی نشان دہی بھی فرمائی ہے، ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

(۷۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْجَارِ اِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ وَاِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَاِنِ اسْتَقْرَضَكَ اَقْرَضْتَهُ وَاِنْ اَعْوَرَ سَتَرْتَهُ وَاِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّاْتَهُ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَكَ فَوْقَ بِنَائِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ اِلَّا اَنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا ——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت قریب قریب انہی الفاظ میں جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے)۔

پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے:

(۷۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِيْرَانُ ثَلٰثَةٌ فَجَارٌ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ وَهُوَ اَدْنَى الْجِيْرَانِ حَقًّا وَجَارٌ لَهٗ حَقَّانِ وَجَارٌ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارٌ مُشْرِكٌ لَا رَحِمَ لَهٗ، لَهٗ حَقُّ الْجِوَارِ، وَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ حَقَّانِ فَجَارٌ مُسْلِمٌ لَهٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الْجِوَارِ وَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَجَارٌ مُسْلِمٌ ذُوْ رَحِمٍ لَهٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الرَّحِمِ۔

رواہ البزار فی المسند وابو نعیم فی الحلیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو، اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے، اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں، اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں ——— تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے، جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے۔ اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو

باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے "کامل" میں، اور خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے:-

وَاِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً	اور اگر تم کوئی پھل پھلاری خرید کر لاؤ، تو
فَاهْدِ لَهٗ فَاِنْ لَّمْ	اُس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو
تَفْعَلْ فَادْخِلْهَا سِرًّا	اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کو چھپا کے لاؤ
وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ	(کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو) اور اس کی بھی
لِيَغِيْظَ بِهَا وَلَدَهٗ۔	احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لیکر
(کنز العمال)	گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے

دل میں اُسے دیکھ کے جلن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اُمّت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو سمجھیں، اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

(۷۴) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخَ اَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَهَا ثُمَّ لِيُنَاوِلْ جَارَهٗ مِنْهَا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اُسے چاہئے کہ شوربہ زیادہ کرلے، پھر اُس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔

(معجم اوسط للطبرانی)

توفیق دے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے:——

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات یہاں تک درج ہوئے اُن کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں اُن کے ساتھ اکرام و رعایت کے برتاؤ اور حُسنِ سلوک سے تھا۔ آخر میں آپ کا ایک وہ ارشاد بھی پڑھئے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:- اگر کسی کے پڑوس میں بیچارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور اُن کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۷۶) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا یُفَقِّهُوْنَ جِیْرَانَهُمْ وَلَا یُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا یَعِظُوْنَهُمْ، وَلَا یَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَا یَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا یَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِیْرَانِهِمْ وَلَا یَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا یَتَّعِظُوْنَ وَاللّٰهِ لَیُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِیْرَانَهُمْ وَیُفَقِّهُوْنَهُمْ وَیَعِظُوْنَهُمْ وَیَاْمُرُوْنَهُمْ وَیَنْهَوْنَهُمْ وَلْیَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِیْرَانِهِمْ وَیَتَفَقَّهُوْنَ وَیَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِی الدُّنْیَا۔

—— رواہ ابن راھویہ والبخاری فی الوحدان وابن السکن وابن مندۃ

پڑوسی بھی ہو مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا، اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔

(مسند بزار، حلیہ ابی نعیم)

(تشریح) اس حدیث میں صراحت اور وضاحت فرمادی گئی ہے کہ پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن و حدیث میں بیان فرمائے گئے اور ان کے اکرام اور رعایت و حُسنِ سلوک کی جو تاکیدیں فرمائی گئی ہیں اُن میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور ان کے بھی وہ سب حقوق ہیں ——— صحابۂ کرامؓ نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہی سمجھا۔ جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن اُن کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے تو انھوں نے گھر والوں سے کہا: ———

اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ	تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے
اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ؟	بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ	یہودی پڑوسی کیلئے بھی بھیجا؟ میں نے
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ
يَقُوْلُ مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ	فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کیساتھ حُسنِ سلوک
يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى	کے بارے میں مجھے جبرئیلؑ (اللہ تعالیٰ کی
ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ۔	طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے

یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بھی قرار دے دیں گے۔

افسوس ہے کہ عہدِ نبویؐ سے جتنا بُعد ہوتا گیا اُمّت آپ کی تعلیمات اور ہدایات سے اُسی قدر دُور ہوتی چلی گئی ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بارے میں جو وصیت اور تاکید اُمّت کو فرمائی تھی اگر صحابۂ کرامؓ کے بعد بھی اس پر اُمّت کا عمل رہا ہوتا تو یقیناً آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا ——— اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو

کا روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو مالک اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا اس قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے، لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے بہت پسماندہ تھے، نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی ——— اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصوروار تھے، اس بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضورؐ کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے حضورؐ سے یہ وعدہ کیا کہ ہم انشاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر علاقہ کے ان لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہیں اس کا ذمہ دار قرار دیا، کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں ———

اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو اُمت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور اللہ و رسول سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں اُمت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے ——— بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ اُمت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے۔

علقمہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ابزیٰ خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا:- کیا ہوگیا ہے اُن لوگوں کو اور کیا حال ہے اُن کا (جنھیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے، اور اُن کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین سکھانے اور اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں ——— اور کیا ہوگیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو، کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں ——— خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں، اور انھیں نیک کاموں کی تاکید اور بُرے کاموں سے منع کریں ——— اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں اور اُن سے نصیحت لیں ——— یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں اُن کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا ——— (مسند اسحاق بن راھویہ کتاب الوحدان للبخاری، مصنف ابن السکن، مسند ابن مندہ)۔

(تشریح) یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مذکور ہے جس طرح یہاں درج کی گئی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضورؐ کا یہی خطاب قریب قریب انھی الفاظ میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بیچاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجتمند کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے ——— اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ——— اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو، اور اُس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابلِ رشک حال ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام اُن لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کیلئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کریں ——— بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

(۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ اَوْ لِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ

کمزور اور حاجت مند طبقوں کے حقوق

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ، یا ہمسائگی اور پڑوس کا تعلق، یا عارضی اور وقتی سنگھ ساتھ ـــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے اور آپ نے اپنے پیروؤں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے ـــــ ان سب طبقوں سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے! ۔

مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی: ـــــ

(۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ

داخل کرے گا ـــــ اِلّا یہ کہ اُس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابلِ معافی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلۂ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابلِ معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خونِ ناحق وغیرہ) در اصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے، اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو۔ بہرحال اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَسَحَ رَأْسَ یَتِیْمٍ لَمْ یَمْسَحْہُ اِلَّا لِلّٰہِ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ یَمُرُّ عَلَیْہَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰی یَتِیْمَۃٍ اَوْ یَتِیْمٍ عِنْدَہٗ کُنْتُ اَنَا وَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ وَقَرَنَ بَیْنَ اِصْبَعَیْہِ ـــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا تو ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں گی، اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے، اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے)۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ

بَیْنَهُمَا شَیْئًا ـــــــــــــــ رواہ البخاری

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے، اور آپ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کرکے بتلایا، اور اُن کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

ـــــــــــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر کہ ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مردِ مومن کے مقام میں ہوگا جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجہ وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میسر فرمائے جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

(۷۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اَلْبَتَّةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ عَمِلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ ـــــــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا، اور اپنے کھانے پینے میں شریک کرلیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزم اور قوتِ ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے، انشاء اللہ اس کے دل کی قساوت و دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طریقِ علاج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت:

(۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اسلئے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا

حُسنِ سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین وہ گھرانہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے۔

——— (سنن ابن ماجہ)

(۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ ——— رواہ احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوتِ قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکینوں حاجتمندوں کو کھانا کھلایا کرو۔

——— (مسند احمد)

(تشریح) یتیموں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں حاجتمندوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو دل کی دردمندی اور ترحم کے جذبہ سے صادر ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبۂ ترحم سے خالی ہو اور اس کے بجائے اس میں قساوت ہو، تو

اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس (جنت کی) شراب طہور پلائے گا جس پر غیبی مُہر لگی ہوگی۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۸۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ۔

رواہ البخاری

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ "عیادت" کے متعلق یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے، اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمارداری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے، اسلئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں، بلکہ تیمارداری اور حسبِ استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے ——— اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیرانِ بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں، یا کم از کم اُن کے رہا ہو جانے سے خیر کی اُمید ہو، بلاشبہ ایسے گرفتارانِ بلا کا رہا کرانا اور اُن کو آزادی دلانا بڑا کارِ ثواب ہے۔

نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے عوض) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا، اور (جو قرض خواہ اپنے) کسی تنگ دست مقروض کو (اپنے قرضے کی وصولی کے سلسلہ میں) سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا، اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی امداد و اعانت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا ——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۸۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَا مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ

تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا: (خداوندا!) میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو تو ربّ العٰلمین ہے۔ تجھے کھانے سے کیا واسطہ!) - اللہ تعالیٰ فرمائے گا: - کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا ——— اے ابن آدم! میں نے پینے کے لئے تجھ سے (پانی) مانگا تھا، تو نے مجھے نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا: - میں تجھے پانی کیسے پلاتا تو تو ربّ العٰلمین ہے (تجھے پینے سے کیا واسطہ)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کے لئے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا، سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا ——— صحیح مسلم

(تشریح) اس حدیث میں جس مؤثر اور غیر معمولی انداز میں کسمپرس بیماروں کی عیادت و تیمارداری اور بھوکوں پیاسوں کو کھلانے پلانے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں غور کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں ان معاشرتی اعمال اور حاجتمند بندوں کی خدمت و اعانت کی کس قدر اہمیت ہے اور ان کا درجہ کتنا بلند ہے ——— فرمایا گیا ہے کہ جو کسی حاجت مند اور بیمار کی خدمت و عیادت کرے گا وہ خدا کو اس کے پاس پائے گا اور اُسے خدا مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں ہدایات: ———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب میں بلکہ قریب قریب اس پوری دنیا میں جس کی تاریخ معلوم ہے غلاموں کا طبقہ موجود تھا۔ فاتح قومیں مفتوح قوموں کے افراد کو غلام بنا لیتی تھیں، پھر وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لئے جاتے تھے، اور ان کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا ———

(۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ۔

رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرزندِ آدمؑ سے فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم! میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی؟ وہ بندہ عرض کرے گا:۔ اے میرے مالک اور پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری یا بیمار پرسی کر سکتا تھا تو تو ربّ العٰلمین ہے (بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ اور تیری بارگاہ میں اس کا کہاں گزر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی اور خبر نہیں لی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی خبر لیتا اور تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا؟ ــــــ اے ابنِ آدمؑ! میں نے

یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ حق ادا ہو، اسے ضرورت بھر کھانا اور کپڑا دیا جائے۔

آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اسے وہی کھانا کھلایا جائے جو گھر میں کھایا جائے، وہی لباس پہنایا جائے جو خود پہنا جائے ـــــــ یہ بھی فرمایا گیا کہ:۔ اس پر کام کا بیجا بوجھ نہ ڈالا جائے، اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکے۔ یہ گویا غلاموں کے بنیادی حقوق ہیں۔

یہ غلام تمھارے بھائی ہیں، اِن سے برادرانہ سلوک کیا جائے:ـــــ

(۸۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدِیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفُہٗ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہٗ اِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ (یہ بیچارے غلام) تمھارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمھارا زیردست (محکوم) بنا دیا ہے، تو اللہ جس کے زیردست (اور تحت حکم) اس کے کسی بھائی کو کر دے، تو اس کو چاہئے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے، اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے، اور اس کو ایسے کام کا مکلف نہ کرے جو اس کے لئے بہت بھاری ہو۔ اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر اس کام میں خود اس کی مدد کرے۔

ـــــــــــــــ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر غلام کو اس کے آقا کا بھائی بتایا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحت میں کر دیا ہے۔ اس تعبیر میں اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی جتنی مؤثر اپیل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو غلاموں کو آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دی، دوسری طرف ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے ان پر محنت و مشقت کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، ان کے طعام و لباس جیسی بنیادی ضرورتوں کا مناسب انتظام کیا جائے، بلکہ حکم دیا کہ جو گھر میں کھایا جائے وہی ان کو کھلایا جائے، جیسا کپڑا خود پہنا جائے ویسا ہی ان کو پہنایا جائے، ان کے معاملے میں خدا کے محاسبہ اور مواخذہ سے ڈرا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان ہدایات اور تعلیمات نے غلاموں کی دنیا ہی بدل دی، پھر تو ان میں سے ہزاروں اُمّت کے ائمہ اور پیشوا تک ہوئے، ہزاروں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اُن کی حکومتیں تک قائم ہوئیں یہ سب اُس ہدایت و تعلیم ہی کے نتائج تھے جو انسانیت کے اس مظلوم و ناتواں طبقہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو دی تھی، اور پھر ساری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

غلاموں کے بُنیادی حقوق:

(۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا يُطِيْقُ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— طعام اور لباس غلام کا حق ہے، اور یہ بھی اس کا حق ہے کہ اسے ایسے سخت کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے — (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے۔ آقا کی

کھانے پکانے، جیسے خدمت کے کام انہی سے لئے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ نے ہدایت فرمائی کہ جب وہ کھانا پکا کے لائیں تو ان کو اپنے کھانے میں شریک کرلو اور ساتھ بٹھا کر کھلاؤ، اور جب کھانا کم ہو، اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ان کو اس میں سے کچھ حصہ ضرور دو، کیونکہ انھوں نے اس کے پکانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف برداشت کی ہے ——— ہمارے زمانہ میں اسی بنیاد پر یہی حکم کھانا پکانے والے نوکروں اور نوکرانیوں کے لئے ہوگا۔

غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے: ———

(۹۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: — یا رسول اللہ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کر دینا چاہئیں؟ ———

آپ نے سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا) ——— اس شخص نے دوبارہ آپ کی خدمت میں یہی عرض کیا ——— آپ پھر خاموش رہے، اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا ——— پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تأثر دینا چاہا کہ

وہ ظاہر ہے ـــــ غلام اور آقا کو بھائی غالباً اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ وہ دونوں بہرحال آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ ؎ بنی آدم اعضائے یکدیگرند
کہ در آفرینش زیک جوہرند

پھر اسی تعلق اور رشتہ کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا غلام اور خادم تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہئے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے، اُسے وہی کھلایا اور پہنایا جائے، جو خود کھایا اور پہنا جائے۔

غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اُس میں سے اُس کو ضرور کھلایا جائے:—

(۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِیْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:— جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لیکر آئے ـــــ اور اُس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے ـــــ تو آقا کو چاہئے کہ کھانا تیار کرنے والے اُس خادم کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ بٹھالے اور وہ بھی کھائے ـــــ پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لئے کافی نہ ہو سکے) تو آقا کو چاہئے کہ اُس کھانے میں سے دو ایک لقمے ہی اس خادم کو دے دے ـــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن گھروں میں غلام یا باندیاں تھی تھیں

مرجاتا ہے اسی طرح وقت پورا ہونے پر برتن بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان بیچاروں سے انتقام لینا اور مارنا پیٹنا بہت ہی غلط بات ہے (ہاں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصلاح وتادیب کی نیت سے مناسب تنبیہہ اور سرزنش کیجا سکتی ہے)۔

غلام پر ظلم کرنیوالے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا:——

(۹۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوْكَهٗ ظَالِمًا اُقِیْدَ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ جو کوئی اپنے غلام کو ناحق مارے گا قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا ——— (شعب الایمان للبیہقی)

غلام پر ظلم کا کفّارہ:———

(۹۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهٗ حَدًّا لَمْ یَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ كَفَّارَتَهٗ اَنْ یُّعْتِقَهٗ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ جس کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جو اُس نے نہیں کیا تھا، یا اُس کو طمانچہ مارا، تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے (یعنی اگر ایسا نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا)۔

——— (صحیح مسلم)

یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیردست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے اسلئے جہاں تک ہو سکے معاف ہی کیا جائے لیکن جب دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی اُن صاحب نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً" یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستر قصور کرے تب بھی اُسے معاف ہی کر دو ـــــ ظاہر ہے کہ یہاں "سَبْعِیْنَ" سے ستر کا خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا زیردست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کر دو۔

اس عاجز کے نزدیک معافی کے اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقاماً سزا نہ دی جائے، لیکن اگر اصلاح و تادیب کے لئے کچھ سرزنش مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔

(۹۲) عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَکُمْ عَلٰی کَسْرِ اِنَاءِکُمْ فَاِنَّ لَھَا اٰجَالًا کَاٰجَالِکُمْ ـــــــــ رواہ الدیلمی

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ:۔ اپنی باندیوں کو برتن توڑ دینے پر سزا نہ دیا کرو، اس لئے کہ برتنوں کی بھی عمریں مقرر ہیں تمہاری عمروں کی طرح۔

ـــــــــ (مسند الفردوس للدیلمی)

(تشریح) گھروں میں کام کرنے والی باندیوں اور نوکرانیوں سے اور اسی طرح غلاموں اور نوکروں سے برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے اور ان بیچاروں کی پٹائی ہوتی تھی۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح وقت پورا ہونے پر آدمی

غلاموں کے بارے میں حضورؐ کی آخری وصیت :

(۹۶) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا، وہ یہ تھا: "اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (یعنی نماز کی پابندی کرو، نماز کا پورا اہتمام کرو، اور اپنے غلاموں زیردستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو)۔

ــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس میں غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے ــــ دوسری یہ کہ غلاموں باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اُس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا ــــ غلاموں زیردستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ اُن کے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی، اور اس حدیث کے مطابق سب سے آخری لفظ آپ کی زبانِ مبارک سے جو ادا ہوا وہ یہ تھا: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ

(۹۵) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لِلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، میں نے پیچھے سے آواز سُنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہئے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بیچارے غلام پر ہے ——— میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے ——— میں نے عرض کیا: ——— یا رسُول اللہ! (میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لئے آزاد ہے ——— آپ نے ارشاد فرمایا: ——— تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لئے آزاد نہ کر دیتے) تو "لَلَفَحَتْكَ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی) ——— یا فرمایا "لَمَسَّتْكَ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی)۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پکڑ اور آخرت کے مواخذہ و محاسبہ کو یاد دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نصیب فرمائے۔

(۹۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔

سیدوں اور آقاؤں کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں، اُن کے حقوق ادا کریں، اُن کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اُن کو اپنا بھائی سمجھیں اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملوکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیر خواہ اور وفادار ہو کر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے، اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے اور اُس وقت تک یہ دنیا امن و سکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر عقل و بصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ ادا ہوا تھا: "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی" (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اُٹھالے)۔ شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ اُمّت سے مخاطب ہوکر آپ نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہوکر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

آقاؤں کی خیرخواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت:—

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایات دیں اسی طرح غلاموں کو بھی آپ نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیردست ہیں اُس کے ساتھ خیرخواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کی عبادت گزاری اور اپنے سیّد و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو

(۹۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْکِ اَنْ یَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ بِحُسْنِ عِبَادَۃِ رَبِّہٖ وَطَاعَۃِ سَیِّدِہٖ نِعِمَّا لَہٗ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کسی غلام اور مملوک کے لئے بڑی اچھی اور کامیابی کی بات ہے کہ اللہ اس کو ایسی حالت میں اٹھائے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت گزار اور اپنے سیّد و آقا کا فرمانبردار ہو ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اُن کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ اُن کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے اُن کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو حضورؐ نے فرمایا کہ :— جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ رکھے، اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی طرف اور آپ کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُكْرِمُهٗ۔

رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :— جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اُس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اُس وقت اُس کا ادب و احترام کریں گے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اوپر جو دو حدیثیں درج ہوئی ہیں اُن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بڑوں کے ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں

بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایات:—

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں کے چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کے بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں خوشگواری اور روحانی سرور و سکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے ——— اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں بھی پڑھ لی جائیں:———

(۹۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا۔

——— رواہ الترمذی وابوداؤد

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت کا خیال نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۰۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيْدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبْطَاءَ الْقَوْمُ اَنْ يُّوَسِّعُوْا لَهٗ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا ——— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچنا چاہتے تھے، لوگوں نے (جو اُسوقت حاضر تھے)

اِسلامی برادری کے باہمی تعلّق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السّلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینِ حق کی دعوت اور ہدایت لے کر آئے تھے، جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور اُمّت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل "اسلامی برادری" اور "اُمّتِ مسلمہ" تھی۔

جب تک رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری، اور یہی اُمّت آپ کا دست و بازو اور دعوت و ہدایت کی مہم میں آپ کی رفیق و مددگار تھی، اور آپ کے بعد قیامت تک اسی کو آپ کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان و یقین، تعلق باللہ اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اور جذبۂ دعوت کی ضرورت تھی، اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دل پھٹے ہوئے ہوں، اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابتِ نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جا سکتی ——— اسلئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔

کیا درجہ ہے، اور اس میں غفلت اور کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے ــــ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا ــــ
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب و احترام اور اُن کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے، اور اصل جزا و ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

(۱۰۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ۔

رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے، اور اسی طرح اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پوری اُمّتِ مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے، اور اس کے افراد اس کے اعضاء ہیں کسی کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اس کے سارے اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح پوری ملّتِ اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے، اور ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہئے۔

(۱۰۴) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

اور اُمّت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں، اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے، اور اس دینی ناطہ سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں اُن کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اِسلئے بھی تھی کہ اُمّت میں مختلف ملکوں، نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں، اور یہ رنگا رنگی آگے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی ـــــ اس سلسلہ کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ہدایات مندرجۂ ذیل حدیثوں میں پڑھئے! :ـــــ

(۱۰۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :ـ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے، اُس کا ایک حصّہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہئے) ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اُسی طرح اُمّتِ مسلمہ ایک قلعہ ہے، اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں باہم وہی تعلق و ارتباط ہونا چاہئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے ـــــ پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح اُمّتِ واحدہ بن جانا چاہئے جس طرح

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لَا یَحْقِرُہٗ) اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ "اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا" (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی، چھوٹائی، عظمت و حقارت اور عزت و ذلت کا دار و مدار "تقوے" پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:——

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ —— اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابلِ اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے ——

اور تقویٰ درحقیقت خدا کے خوف اور محاسبۂ آخرت کی فکر کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لئے کسی بھی صاحبِ ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اُس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابلِ تحقیر سمجھتے ہو اُس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اسلئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ نے فرمایا کہ: کسی آدمی کے بُرے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

(۱۰۶) عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ —— رواہ البخاری ومسلم

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان

علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اسلئے) نہ تو خود اُس پر ظلم وزیادتی کرے، نہ دوسروں کا نشانۂ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی مدد کرے) ——— اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا ——— اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا ——— اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا (وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ) بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کرکے فرمایا) "تقویٰ یہاں ہوتا ہے"۔ کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اور اس کی آبرو بھی ——— (صحیح مسلم)

زندگی کا جزو بن گئی ہو، اور اس کی رگ وپے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے ــــ خدا کیلئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

(۱۰۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی اس درجہ خیر خواہی کہ جو خیر اور بھلائی اپنے لئے چاہے وہی اس کے لئے بھی چاہے ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے، اور ایمان واسلام کا جو مدعی اس سے خالی ہے وہ ایمان کی رُوح وحقیقت اور اس کے برکات سے محروم ہے۔

اسلامی رشتے کے چند خاص حقوق:ــــــ

(۱۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی پر ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ سے جب میں نے بیعت کی تھی تو آپ نے خصوصیت کے ساتھ تین باتوں کا مجھ سے عہد لیا تھا:۔ ایک اہتمام سے نماز پڑھنے کا، دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، تیسرے ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کے لئے خیر خواہی اور خیر اندیشی کا ——— اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی تعلق کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ نماز اور زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کے ساتھ اس کی بھی بیعت لیتے تھے۔

(۱۰۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِيْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ۔

——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفۂ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے ——— (معجم اوسط الطبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول المسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب و مشکلات سے بے پروا نہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار و خیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی

اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہشمند (اور طلبگار) ہوگا ـــــ اور جو (باتوفیق مسلمان) کسی مسلمان بندے کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہشمند (اور طلبگار) ہوگا ـــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت معاذ بن انس انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بددین منافق کے شر سے کسی بندۂ مومن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بددین نے کسی مومن بندے پر کوئی الزام لگایا، اور کسی باتوفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کردے گا اس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے ـــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بندۂ مومن کو بدنام و رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگر پکا مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے)

نے فرمایا:- ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کہہ کے اس کے لئے دعائے رحمت کرنا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشوونما بھی پاتا ہے، اسلئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے ——— ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے، ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت:———

(۱۱۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ امْرَأً مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَھَکُ فِیْہِ حُرْمَتُہٗ وَیُنْتَقَصُ فِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اِلَّا خَذَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَوْضِعٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ وَمَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِہٖ وَیُنْتَھَکُ فِیْہِ مِنْ حُرْمَتِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- جو (بے توفیق) مسلمان کسی دوسرے مسلمان بندہ کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو، اور اس کی آبرو اتاری جاتی ہو، تو

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اس کی عدم موجودگی میں مدافعت اور جوابدہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتش دوزخ سے اس کو آزادی بخشدے۔

_____ (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۱۴) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتِیْبَ عِنْدَہٗ اَخُوْہُ الْمُسْلِمُ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِہٖ فَنَصَرَہٗ نَصَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَاِنْ لَّمْ یَنْصُرْہُ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِہٖ اَدْرَکَہُ اللّٰہُ بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ _____ رواہ البغوی فی شرح السنۃ

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت وحمایت کرسکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت وبدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت وحمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جوابدہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اسکی سزا دے گا)۔

_____ (شرح السنۃ للامام محی السنۃ البغویؒ)

(تشریح) حضرت جابر، حضرت معاذ بن انس، حضرت ابوالدرداء، حضرت اسماء بنت یزید اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی ان پانچوں حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت وآبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کیلئے

اُس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے، جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہو جائے ـــــ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے ہاں ناقابلِ معافی ہے، لیکن آج ہم مسلمانوں کا، ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّرُدَّ عَنْہُ نَارَ جَھَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ "وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔

ـــــ رواہ البغوی فی شرح السنۃ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ:- جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حملہ کا جواب دے (اور اس کی طرف سے مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن آتشِ جہنم کو اُس سے دفع کرے ـــــ پھر (بطور سند کے) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (اور ہمارے ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد کرنا)۔

ـــــ (شرح السنۃ للامام محی السنۃ البغوی)

(۱۱۳) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِیْہِ بِالْمَغِیْبَۃِ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّعْتِقَہٗ مِنَ النَّارِ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے، اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی و ایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

عام انسانوں اور مخلوقات کیساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات :-

مندرجۂ بالا حدیثوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ تعلق و برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔

(۱۱۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ، قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔

رواہ احمد

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ (یعنی ایمان والے اعمال و اخلاق میں وہ کون سے ہیں جن کو فضیلت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے) آپ نے ارشاد فرمایا :- یہ کہ تمہاری محبت و مودت اور تمہاری نفرت و عداوت بس اللہ کے واسطے ہو، اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو ——— معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ :- اس کے علاوہ اور کیا یا رسول اللہ؟ - تو آپ نے فرمایا :- اور یہ کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے

اس کی حفاظت وحمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایتِ محمدیؐ کے اس اہم باب کو اُمت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے ——— بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

ایک مُسلمان دوسرے مُسلمان کیلئے آئینہ ہے: ———

(۱۱۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَكُفُّ عَنْهُ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَرَائِهٖ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:— ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اُس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی ونگرانی کرتا ہے ——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اُس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے، اور صرف اُسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا۔ ایک مومن کے دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابلِ اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیرخواہی کیساتھ اس کو اس پر مطلع کر دے، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے ——— آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اُس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکنے اور اس کی

بیچارے عوام ظالموں کے مظالم اور مجرمین کے جرائم کا اور زیادہ نشانہ نہیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:—

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ — اے اہلِ دانش قصاص کے قانون میں تمہارے لئے زندگی کا سامان ہے۔

(۱۱۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:— (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (ان کے ساتھ) ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترحم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (ربُّ العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اِس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اُس کی ایک مخلوق ہے، وہ ربُّ السّمٰوٰت والارض ہے، اور

اور پسند کرتے ہو اور اُس چیز اور اُس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو ——— (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں عام انسانوں کی اس حد تک خیر خواہی، و خیر اندیشی اور اُن کے ساتھ اتنا خلوص کہ جو اپنے لئے چاہے وہ سب کے لئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے بھی نہ چاہے، اعلیٰ درجہ کے ایمانی اعمال و اخلاق میں سے ہے۔

(۱۱۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— اُس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی، جو (اُس کے پیدا کئے ہوئے) انسانوں پر رحم نہ کھائے گا، اور اُن کے ساتھ ترحم کا معاملہ نہ کرے گا۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لئے جو دوسرے قابلِ رحم انسانوں کیساتھ ترحم کا برتاؤ نہ کریں، یعنی ان کی تکلیف اور ضرورت کو محسوس کرکے اپنے مقدور کے مطابق ان کی مدد اور خدمت نہ کریں۔ بڑی سخت وعید ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ:— ایسے لوگ خداوند رحمٰن کی رحمت سے محروم رہیں گے ——— الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کو بددعا سمجھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں۔ واضح رہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور اس طرح کے دوسرے مجرموں کو سزا دینا اور قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنا، ترحم کی اس تعلیم و ہدایت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی عوام کے ساتھ ترحم ہی کا تقاضا ہے، اگر مجرموں کو تعزیری قانون کے مطابق سخت سزائیں نہ دی جائیں تو

جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت :-

اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اور آپ سے پہلے آنے والے نبیوں رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اُن سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے اُن کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اُس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذا رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے، اور اُن کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

(۱۲۰) عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ وَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوهَا صَالِحَةً ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت سہیل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا، تو آپ نے فرمایا:- لوگو! ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو (ان کو اس طرح بھوکا نہ مارو) ان پر سوار ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کا پیٹ بھرا ہو) اور ان کو چھوڑو تو (اسی طرح کھلا پلا کر) اچھی حالت میں ـــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۲۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا قَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا ـــــ رواہ احمد

اس کی خالقیت اور اُلوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ)[1] اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالمِ اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِي الْاَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کیلئے "مَنْ فِي السَّمَآءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۱۹) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اُس کا کنبہ) ہے، اِسلئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اُس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) آدمی کے "عیال" اُن کو کہا جاتا ہے جن کی زندگی کی ضروریات کھانے کپڑے وغیرہ کا وہ کفیل ہو۔ بلاشبہ اس لحاظ سے ساری مخلوق اللہ کی "عیال" ہے۔ وہی سب کا پروردگار اور روزی رساں ہے۔ اس نسبت سے جو آدمی اُس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اُس کی محبت اور پیار کا مستحق ہوگا۔

---

[1] سورۂ زخرف، آیت نمبر ۸۴

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ایک بدچلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہوگئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری، جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (چکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا، اور قریب تھا کہ پیاس سے مرجائے۔ اس عورت نے (ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے) پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اُتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اُس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ :- کیا جانوروں (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ ——— آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- بیشک! ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس بدچلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا، بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر ترحم کا برتاؤ کیا جائے گا تو وہ خداوند قدوس کی رحمت و مغفرت کا باعث ہوگا اور بندہ اس کا اجر و ثواب پائے گا۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جس میں عورت کے بجائے ایک راستہ چلتے مسافر مرد کا اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں اب سے بہت پہلے (کتاب الاخلاق میں رحم دلی کے زیر عنوان) درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اور اس سوال کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ صرف ایک کتے کو پانی پلا دینا کیونکر ایک گنہگار آدمی کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے، اور اس میں کیا راز ہے[1] ——— اس حدیث

[1] [illegible] اور اس سے متعلق تشریح [illegible] معارف الحدیث (جلد ۲) کتاب الاخلاق ص ۱۴۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا:۔ وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے ——— (مسند احمد)

(تشریح) دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کیلئے ان کے جسم کے کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنا دیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ کو سخت دکھ ہوا، اور آپ نے فرمایا کہ: "لعن اللہ من فعل ھذا" (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بیزاری کا کلمہ تھا، جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کیلئے آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔

دنیا نے "انسداد بے رحمی" کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے، لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

(۱۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُّوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَاْسِ رَكِیٍّ یَلْهَثُ كَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ ——— قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِیْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اُس نے اس بلی کو بند کر لیا، پھر نہ تو خود اُسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اسے بھوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا۔ اس کی سزا اور پاداش میں وہ عورت عذاب میں ڈالی گئی ہے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ چند حدیثیں یہ جاننے کے لئے کافی ہیں کہ جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور تعلیم کیا ہے۔ اور یہ اس کے بالکل منافی نہیں ہے کہ سانپ بچھو جیسے موذی جانوروں کو مار ڈالنے کا خود آپ نے حکم دیا ہے، اور حرم میں بھی ان کے مار دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی دراصل اللہ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ کتے جیسے جانوروں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ ترحم کا ہونا چاہیئے۔

(۱۲۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو کوئی مسلم بندہ کسی درخت کا پودا لگائے یا کھیتی کرے، پھر کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا چوپایہ اس درخت یا کھیتی میں سے کھائے، تو یہ اُس بندے کی طرف سے صدقہ اور کارِ ثواب ہوگا ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا بھی پیغام اور سبق یہی ہے کہ انسانوں کے علاوہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے سب جانوروں پرندوں اور چوپایوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے ——— اس کے برعکس مندرجۂ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ کسی جانور کو بلاوجہ ستانا اور اُس کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرنا سخت گناہ ہے، جو آدمی کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

(۱۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِيْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ایک ظالم عورت کو

کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عمران بن حصینؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ:- ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور "اَنْعِمْ صَبَاحًا" (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے، تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اس کے بجائے ہمیں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جا سکتا ——— ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لئے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے، اور پھر "السلام" اسمائے الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے، اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے ——— ارشاد ہوا ہے:- سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ ۝ ——— سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ۝ ——— سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ ۝ ——— سَلَامٌ عَلٰى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ ——— سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ——— سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۝۔

اور اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں:- "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ الخ" ——— اور ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ:- جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں

آدابِ مُلاقات

یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں اُن سے انسانوں کے مختلف طبقات اور اللہ کی عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات معلوم ہوئیں، آگے "آدابِ مُلاقات" اور اس کے بعد "آدابِ مجلس" کے سلسلہ کی جو احادیث درج کی جارہی ہیں، وہ بھی دراصل زندگی کے ایک خاص دائرے میں آپس کے برتاؤ ہی سے متعلق ہدایات ہیں۔

تحیۃ اِسلام، سلام:

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں مُلاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبۂ اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ہمارے مُلک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو، مُلاقات کے وقت "نمستے" کہتے ہیں، کچھ پُرانے قسم کے کم پڑھے لکھوں کو "رام رام" کہتے ہوئے بھی سُنا ہے۔ یورپ کے لوگوں میں صبح کی مُلاقات کے وقت "گڈ مارننگ" (اچھی صبح)، اور شام کی ملاقات کے وقت "گڈ ایوننگ" (اچھی شام)، اور رات کی ملاقات میں "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ، اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہونچ جاؤ گے سلامتی کیساتھ۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے:۔ ایک خداوند رحمٰن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اس کو ادا کیا جائے) ۔۔۔۔ دوسرے اطعامِ طعام یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے، اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیۂ اخلاص و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت و الفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے) ۔۔۔۔ تیسرے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اور "وَعَلَيْكُمُ السَّلَام" کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے، اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور رہے ۔۔۔۔ ان تین نیک کاموں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی ہے: "تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" (تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہونچ جاؤ گے)۔

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ ۔۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ ایک شخص نے

جو ایمان لا چکے ہیں، تو آپ اُن سے کہیں کہ: "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے) ——— اور آخرت میں داخلۂ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان سے فرمایا جائے گا: "اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ" ——— اور سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

الغرض مُلاقات کے وقت کے لئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا ——— اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت واُخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی تعلق ہے، تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بنا پر محبت ومسرت اور اکرام وخیر اندیشی کا پورا اظہار ہے۔ اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے، تو یہ کلمہ ہی تعلق واعتماد اور خیر سگالی کا وسیلہ بنتا ہے، اور اس کے ذریعہ ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دُعاگو ہوں، اور میرے اور تمہارے درمیان ایک رُوحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہرحال مُلاقات کے وقت "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اور "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" کی تعلیم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مُبارک تعلیمات میں سے ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں ——— اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھئے!۔

سَلام کی فضیلت و اہمیّت:

(۱۲۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ——— رواہ الترمذی

(تشریح) اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلۂ جنّت کی بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کی باہمی محبّت و مودّت بھی اس کی لازمی شرط ہے، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبّت و مودّت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں رُوح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بنا پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبّت و مودّت کا رس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں — لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

سلام کا اجر و ثواب :—

(۱۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ —— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ"۔ آپ نے اُس کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: "حضرت! اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟" آپ نے فرمایا:- (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ، اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اُس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اُس کو بھی سلام کرو ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اعمال میں اطعام طعام اور سلام کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے بعض دوسری حدیثوں میں (جو گزر بھی چکی ہیں) دوسرے بعض اعمالِ صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا والدین کی خدمت و اطاعت کو "خیر اعمال" اور "افضل اعمال" قرار دیا گیا ہے لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت و ضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے ہے، اور اسلامی نظامِ حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف جہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔

(۱۲۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے [illegible] (صحیح مسلم)

عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے، اور جس دکاندار اور جس کباڑیئے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اُس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید و فروخت کے بغیر واپس آجاتے)۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کے کیا کریں گے؟۔ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں، اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھئے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ:۔ ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اُس کو سلام کریں (اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں)۔

(۱۲۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِئٌ مِنَ الْكِبْرِ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں)"۔ پھر ایک اور آدمی آیا، اُس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں)۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اُس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا: "تیس (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری اُمّت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا"۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا تھا، فرمایا کہ: اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ "وَرَحْمَةُ اللهِ" کا بھی اضافہ کیا، اُس کے لئے آپ نے فرمایا کہ: بیس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اور تیسرے شخص کے لئے جس نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" کے ساتھ تیسرے کلمہ "وَبَرَكَاتُهُ" کا بھی اضافہ کیا، آپ نے فرمایا کہ: اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہوگئیں ——— اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں اُن کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے اُبَیّ بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: میں حضرت

سب سے پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے، یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہے ــــ (حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث "اسلامی رشتہ کے چند حقوق" کے زیر عنوان) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے چند ہی ورق پہلے گزر چکی ہے وہاں ضروری تشریح بھی کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ ــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو، تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو، تو پھر سلام کرے ــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اُس کا جواب دے ــــــــ اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور شریعتِ اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ یا جاؤ تو سلام کرو: ــــــــــ

(۱۳۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَهْلِكَ فَسَلِّمْ یَکُوْنُ بَرَکَةً

(تشریح) یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین رذیلہ ہے جس پر احادیث میں عذاب نار کی وعید ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا! ——

اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

عند الملاقات، سلام: ——

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِیْلَ مَا ھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِذَا لَقِیْتَہٗ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَاِذَا دَعَاکَ فَاَجِبْہُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَکَ فَانْصَحْ لَہٗ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰہَ فَشَمِّتْہُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْہُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْہُ۔

—— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں: —— اوّل یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ دوسرے جب وہ مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی محذور اور مانع نہ ہو) تیسرے جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب تو اُس سے دریغ نہ کرے۔ چوتھے جب اُس کو چھینک آئے، اور وہ "الحمد للہ" کہے تو یہ اُس کو "یرحمک اللہ" کہے (جو دعائیہ کلمہ ہے)۔ پانچویں جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ چھٹے جب وہ انتقال کر جائے تو اُس کے جنازے کے ساتھ جائے —— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر

سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ اُن کے لئے ذیل کی چند حدیثیں پڑھیئے!۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ ——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ:۔ چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے، اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں ——— (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیشقدمی کرکے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیشقدمی کرے، اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً کم آدمی ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیشقدمی کرے، اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیشقدمی کرکے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کرکے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ ـــــــــ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا، اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی ـــــــــ (جامع ترمذی)

(۱۳۴) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى أَهْلِهِ وَإِذَا خَرَجْتُمْ فَاوْدِعُوا أَهْلَهُ بِسَلَامٍ ـــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو، اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کرکے نکلو ـــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُولٰى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ ـــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہونچے تو چاہئے کہ (اوّلاً) اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے ـــــــــ اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے۔ (یعنی بعد والے رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں)۔

ـــــــــ (جامع ترمذی)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے، یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہونچ جائے ——— اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مُصَافحہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبۂ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحۃً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

(۱۴۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ - رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)۔

(۱۳۷) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مَرْفُوْعًا قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَرُدَّ اَحَدُهُمْ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرلے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے، اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے تو سب کی طرف سے کافی ہے ـــــ (شعب الایمان للبیہقی)

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے :ـــــ

(۱۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کے لئے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

(۱۳۹) عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ قَالَ فَيَجِيْئُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ ـــ

ـــــ الحدیث

معانقہ وتقبیل ـــــ اور قیام

محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی بُرائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ:۔ جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو، تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں، اُسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟۔ تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اُس شخص نے عرض کیا:۔ تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اسکی اجازت ہے اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اُس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ـــ ورنہ خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

(۱۴۳) عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ بُشَیْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَۃَ اَنَّہٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَافِحُکُمْ اِذَا لَقِیْتُمُوْہُ وَقَالَ مَا لَقِیْتُہٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِیْ وَبَعَثَ اِلَیَّ ذَاتَ یَوْمٍ وَلَمْ اَکُنْ فِیْ اَھْلِیْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَیْتُہٗ وَھُوَ عَلٰی سَرِیْرِہٖ فَالْتَزَمَنِیْ فَکَانَتْ تِلْکَ اَجْوَدَ

مُصافحہ کا اجر و ثواب اور اُس کی برکتیں :-

(۱۴۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا ——— رواہ ابوداؤد

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو اُن کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔

——— (سنن ابی داؤد)

(۱۴۲) عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ ——— رواہ مالک۔ مرسلاً

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دُور ہوگی ——— (موطا امام مالک)

(یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے، یعنی انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہونچی ———

ایسی حدیث کو مُرسَل کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال)۔

(تشریح) یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو، جو دانہ بیجان ہو چکا اُس سے پودا نہیں اُگتا۔

فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھیں) جب وہ حضورؐ کے پاس آتیں تو آپ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے، اور اپنی جگہ پر اُن کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ اُن کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ روایات اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اس لئے حضرت انسؓ کی اُس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم اُن مواقع کے لئے ہے جب سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ والی آخری حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضورؐ کے کھڑے ہو جانے اور حضورؐ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے تشریف لانے پر

وَاَجْوَدَ ـــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

ایوب بن بُشَیر قبیلۂ بنو عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اُس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: — کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟۔ تو انھوں نے فرمایا کہ: — میں جب بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ نے مجھے گھر سے بُلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا، جب میں گھر آیا تو مجھے بتایا گیا (کہ حضورؐ نے مجھے بُلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے سریر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنالیا جاتا تھا) آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا، اور آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا) ـــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنِ الشَّعْبِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَلَقّٰی جَعْفَرَ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَہٗ وَقَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْہِ ـــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً

امام شعبی تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ ان کو لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (اُن کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔ ـــــ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

(۱۴۵) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَشْبَہَ سَمْتًا وَھَدْیًا وَدَلًّا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَۃَ کَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْہِ قَامَ اِلَیْھَا

(تشریح) یہ صفوان بن اُمیہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسول اُمیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے، اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وادیٔ مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو مَعْلیٰ کہتے ہیں۔ صفوان بن اُمیہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کرکے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے، اس لئے یہ سیدھے حضورؐ کے پاس پہونچ گئے ــــــ آپ نے اس ادب کی تعلیم کے لئے اُن سے فرمایا کہ:- باہر واپس جاؤ اور کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ" (السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اُن سے عمل بھی کرا دیا ــــــ ظاہر ہے کہ جو سبق اس طرح دیا جائے اُس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

(۱۴۷) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَأْذِنُ عَلٰى أُمِّي؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا، أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا ــــــ رواہ مالک مرسلاً

عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ

اگر صحابہ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

ملاقات یا گھر یا مجلس میں آنے کیلئے اجازت کی ضرورت:—

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے، اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے کہ اُس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

(۱۴۶) عَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَهٗ بِلَبَنٍ وَجِدَايَةٍ وَضِغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ؟ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن اُمیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، یہ اُس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گیا، اور نہ میں نے پہلے سلام کیا، اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ نے فرمایا کہ:— تم واپس جاؤ، اور (قاعدہ کے مطابق) اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ؟ کہہ کے اجازت مانگو۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

اجازت نہ دو بلکہ اس کو بتادو کہ پہلے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کا دُعائیہ کلمہ کہہ کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اُخوت اور للّٰہی رشتہ کا اظہار کرے اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

(۱۴۹) عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهِ اُخْرُجْ إِلَى هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهُ "قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ ——— رواہ ابوداؤد

ربعی بن حراش (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت چاہی، اور عرض کیا: ——— أَأَلِجُ؟ (کیا میں اندر آسکتا ہوں؟) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ، اُس سے کہو کہ وہ یوں کہے: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" اُس شخص نے آپ کی بات خود سُن لی، اور عرض کیا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" تو آپ نے آنے کی اجازت دے دی، اور وہ آپ کے پاس حاضر ہوگیا ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۵۰) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ زَارَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَرَدَّ أَبِي رَدًّا خَفِيًّا، فَقُلْتُ أَلَا تَأْذَنُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ ذَرْهُ حَتّٰى يُكْثِرَ عَلَيْنَا اَلسَّلَامَ فَقَالَ

علیہ وسلم سے پوچھا :۔ کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے کے لئے بھی پہلے اجازت طلب کروں ؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ ہاں ! ماں کے پاس جانے کے لئے بھی اجازت لو ! ۔ اُس شخص نے عرض کیا کہ :۔ میں ماں کے ساتھ ہی گھر میں رہتا ہوں (مطلب یہ کہ میرا گھر کہیں الگ نہیں ہے، ہم ماں بیٹے ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں بھی میرے لئے ضروری ہے کہ اجازت لے کر گھر میں جاؤں ؟)۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔ ہاں ! اجازت لے کر ہی جاؤ ـــــــ اُس شخص نے عرض کیا کہ :۔ میں ہی اس کا خادم ہوں (اس کے سارے کام کاج میں ہی کرتا ہوں اس لئے بار بار جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں تو ہر دفعہ اجازت لینا ضروری نہ ہوگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ نہیں، اجازت لے کر ہی جاؤ، کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس کو برہنہ دیکھو ! ۔ اُس شخص نے عرض کیا کہ :۔ یہ تو ہرگز پسند نہیں کروں گا ـــــــ آپ نے ارشاد فرمایا :۔ تو پھر اجازت لے کر ہی جاؤ ـــــــ (مؤطا امام مالکؒ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بغیر اجازت اور اچانک اپنی ماں کے گھر میں جانے کی صورت میں، اس کا امکان ہے کہ تم ایسی حالت میں گھر میں پہونچو کہ تمہاری ماں کسی ضرورت سے کپڑے اُتارے ہوئے ہو، اس لئے ماں کے پاس بھی اجازت لے کر ہی جانا چاہئے ۔

(۱۴۸) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَاذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ ـــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو ۔ ـــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے، اُس کے بعد کہے کیا میں آسکتا ہوں اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اُس کو

بولو مت، ایسے ہی رہنے دو، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں! اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) ـــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" حضرت سعدؓ نے پھر (اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضورؐ نے نہیں سنا)۔ تو پھر (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ کی طرف سے کوئی جواب آپ نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے ـــــ تو حضرت سعدؓ آپ کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ:- حضرتؐ! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضورؐ کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضورؐ کو ایک چادر دی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی جسے آپ نے "اشتمال" کے طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى اٰلِ سَعْدٍ" (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں فرما سعد کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضورؐ کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ:- تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:- یا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو) واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضورؐ نے یہ فرمایا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" فَرَدَّ سَعْدٌ رَدًّا خَفِيًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" ثُمَّ رَجَعَ، فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ كُنْتُ أَسْمَعُ تَسْلِيمَكَ وَأَرُدُّ عَلَيْكَ رَدًّا خَفِيًّا لِتُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ فَانْصَرَفَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ لَهُ سَعْدٌ بِغُسْلٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ نَاوَلَهُ مِلْحَفَةً مَصْبُوْغَةً بِزَعْفَرَانٍ أَوْ وَرْسٍ فَاشْتَمَلَ بِهَا، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى آلِ سَعْدٍ، ثُمَّ أَصَابَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمَّا أَرَادَ الْانْصِرَافَ قَرَّبَ لَهُ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَّأَ عَلَيْهِ بِقَطِيْفَةٍ فَقَالَ لِيْ سَعْدٌ اِصْحَبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِبْتُهُ فَقَالَ لِيْ اِرْكَبْ مَعِيَ فَأَبَيْتُ، فَقَالَ إِمَّا أَنْ تَرْكَبَ وَإِمَّا أَنْ تَنْصَرِفَ فَانْصَرَفْتُ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت سعد بن عبادہؓ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ہمارے گھر پر تشریف لائے اور آپ نے قاعدے کے مطابق (باہر سے) فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" تو میرے والد (سعد بن عبادہؓ) نے (بجائے اس کے کہ آپ کے سلام کا آواز سے جواب دیتے اور اندر تشریف لانے کے لئے عرض کرتے) بہت خفی آواز سے (کہ حضورؐ سن نہ سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ: آپ حضورؐ سے اندر تشریف لانے کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے؟ میرے والد نے فرمایا کہ:

ملاقات کو آنیوالے کا حق ہے کہ اُس کو پاس بٹھایا جائے :۔

(۱۵۱) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا إِذَا رَاٰهُ أَخُوْهُ أَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ کے پاس آئے تو آپ اُن کے لئے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا) دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے)۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلم آئے تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہئے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب و جانشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لئے خاص سبق ہے۔

مجلس سے کسی کو اُٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے :———

(۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو میں واپس لوٹ آیا ——— (سنن ابی داؤد)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لئے جائے تو پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے، اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کے اجازت مانگے اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضورؐ کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا (جس کی وجہ سے حضورؐ کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا) بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضورؐ کی مزاج شناسی کی بنا پر انھیں یقین تھا کہ آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے اس لئے انھوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور حضورؐ نے کسی گرانی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی ——— حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح کی ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضورؐ نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھو دی گئی تھی، اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ "دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو ــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقہ سے ان الفاظ میں بھی روایت کی گئی ہے: "لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا" (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کردے)۔

سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

اپنی تعظیم کیلئے بندگانِ خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے:۔

(۱۵۵) عَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِیَامًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں، اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے ــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں، اور یہ تکبر کی نشانی ہے اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے، جس کے حق میں فرمایا گیا ہے: "بِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ"

لَا يُقِيمَنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کوئی آدمی ایسا نہ کرے (یعنی کسی کو اس کا حق نہیں ہے) کہ کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کے لئے) کشادگی اور گنجائش پیدا کریں (اور ان کو جگہ دے دیں)۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(۱۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت سے) اٹھا اور پھر واپس آ گیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حقدار ہے ——— (صحیح مسلم)

مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں اُنکی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہئے:۔

(۱۵۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا ——— رواہ ابوداؤد

صاحبِ مجلس کے اُٹھنے پر اہلِ مجلس کا کھڑا ہو جانا

(۱۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے، پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اُٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے، اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جبکہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں آپ داخل ہو گئے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) صحابۂ کرام کو اس طریقۂ عمل سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ اس عاجز کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہلِ مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضورؐ کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہلِ مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لئے اس کھڑے ہونے کو حضورؐ گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(وہ دوزخ متکبرین کا بڑا ٹھکانا ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے:۔

(۱۵۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔

رواہ ابوداؤد

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔

رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لئے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھی، اس کے باوجود اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضورؐ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناپسند ہے ——— (جامع ترمذی)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔

رواہ ابوداؤد

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الآیۃ) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اُس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی ——— اور اگر خدانخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہونچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کے لیٹنے کی ممانعت اور اُس کی وجہ:——

(۱۶۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے ——— (صحیح مسلم)

لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضورؐ کی ہدایات اور آپؐ کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیٹنے، سونے، اور بیٹھنے کے بارے میں بھی اُمّت کو ہدایات دی ہیں، اور اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند احادیث پڑھئے اور آپ کی تعلیم و ہدایت کی جامعیت کا اندازہ کیجئے! ۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت :۔

(۱۵۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا، جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو (جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اُس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶۰) عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

اپنے قدم مبارک سے مجھے ہلایا اور فرمایا :۔ اے جُنْدُب! یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے ——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کسی عمل یا کسی عادت کی قباحت یا ناشائستگی اہلِ ایمان کے دلوں پر بٹھانے کے لئے یہ نہایت مؤثر طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ یا اُنکی عادت ہے ——— جُنْدُب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اصلی نام ہے۔ حضورؐ نے اس تعلیم و ہدایت کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح لیٹتے تھے :———

(۱۶۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَیْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْمَنِ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَیْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَہٗ وَوَضَعَ رَأْسَہٗ عَلٰی کَفِّہٖ ——— رواہ فی شرح السنہ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے، اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے ——— (شرح السنہ للبغوی)

(تشریح) اہلِ عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے تھے، پھر اگر سفر سویرے سرِ شام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اُتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے ———

حضرت ابوقتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضورؐ جب ایسے وقت اُترتے اور پڑاؤ

(تشریح) حضورؐ کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو، تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت:

(۱۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللّٰهُ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

(۱۶۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّ بِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَكَضَنِیْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ یَا جُنْدُبُ اِنَّمَا هٰذِهٖ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ۔

——— رواہ ابن ماجہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے

(تشریح) دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ داہنی کروٹ پر داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں سونے کے لئے لیٹنے کے وقت اور پھر جاگنے وقت کی جس مختصر دُعا کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں اس کے علاوہ بھی متعدد دعائیں ان دونوں موقعوں کے لئے روایت کی گئی ہیں ——— یہ سب حدیثیں اس سلسلۂ معارف الحدیث کی پانچویں جلد میں زیرِ عنوان "سونے کے وقت کی دعائیں" درج کی جا چکی ہیں۔

——— : سو کے اُٹھ کر مسواک کا اہتمام :———

(۱۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَنَامُ اِلَّا وَالسِّوَاکُ عِنْدَ رَأْسِہٖ فَاِذَا اِسْتَیْقَظَ بَدَأَ بِالسِّوَاکِ ——— رواہ احمد والحاکم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سونے کا ارادہ کرتے تو مسواک اپنے سرہانے رکھ لیتے پھر جب بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے ——— (مسند احمد مستدرک حاکم)

(۱۶۷) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلَا نَھَارٍ فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّا تَسَوَّکَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں یا دن میں جب بھی سوتے تو اُٹھ کر مسواک ضرور کرتے ——— (سنن ابی داؤد)

کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اور جب آپ رات کے بالکل آخری حصّہ میں اُترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سرِ مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اور اس طرح گویا نمازِ فجر کا انتظار فرماتے تھے ——— اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر اُمّت کو پہونچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری اُمّت کی طرف سے عطا فرمائے، اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

(۱۶۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ——— (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى" (اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں، اور تیرے ہی نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں) اور پھر جب آپ بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ" (ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جلا دیا، اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اٹھنا ہوگا) ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احتبا کی شکل کے علاوہ چہار زانو بھی بیٹھتے تھے۔ اور حدیث کے راوی جابر بن سمرہ کے بیان کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب کے بعد تک (گویا اشراق تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں اپنی جگہ پر چہار زانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔

مجلس میں آنیوالے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے :—

(۱۷۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي۔

رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضورؐ کی مجلس میں آتا تو (حاضرینِ مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اصولِ حدیث میں یہ بات مسلّم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضورؐ کے زمانہ میں آپ کے صحابہؓ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ کی مرضی کے مطابق اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا ——— اس بنا پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے ——— ہاں صاحبِ مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیشِ نظر اُس کو آگے بلالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے :-

(۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ ——— رواه البخاري

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ :-
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صحن میں احتبا کے طور پر (یعنی گوٹ مارے) بیٹھا دیکھا ہے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) احتبا بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرینیں اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین پر ہوں اور دونوں زانو کھڑے ہوں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا جائے، یہ اہلِ تفکر اور اصحابِ مسکنت کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کو ہندی میں گوٹ مار کے بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس طرح بیٹھتے تھے۔

(۱۶۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا ——— رواه ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے تھے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا تھا۔

——— (سنن ابی داؤد)

مَالِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا:۔ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تمھیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی چیز پر اظہار ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے:۔ "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں"، یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے اور نظر نہ آنا چاہیئے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنی حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو۔ ——— بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس ظاہری تفرق اور تشتت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سایے میں:———

(۱۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِی الشَّمْسِ وَبَعْضُهٗ فِی الظِّلِّ فَلْیَقُمْ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ

حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے:۔

(۱۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے اس شخص کو قابلِ لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔

(جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

(تشریح) شارحین نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں:۔ ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک متکبر یا بے تمیز اور بے ناآشنا آدمی لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے، بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے ـــــ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنا سامنا ہے، ایک آدمی آکر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بیہودہ حرکت ہے ـــــ تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں اُن کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت:۔

(۱۷۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ

مجلس میں گفتگو، ہنسی و مزاح، چھینک اور جمہائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اس بارے میں بھی واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے، اور ظرافت و مزاح اور کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور جمہائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رویّہ اختیار کیا جائے ——— اس سلسلہ کی آپ کی ہدایات و تعلیمات کی رُوح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے، لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اور اُس کے احکام اور اپنے عمل اور رویّہ کے اُخروی انجام کو پیشِ نظر رکھے۔

زبان کے استعمال اور بات چیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا کافی حصّہ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد (کتاب الاخلاق) میں درج ہو چکا ہے۔ سچ اور جھوٹ، شیریں کلامی اور بدزبانی، چغل خوری، عیب جوئی، یاوہ گوئی، غیبت اور بہتان وغیرہ کے متعلق احادیث وہاں گزر چکی ہیں، اسلئے گفتگو اور زبان کے استعمال کے سلسلہ میں چند باقی مضامین کی حدیثیں ہی یہاں درج کیجاتی ہیں۔

علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اُس پر سے سایہ ہٹ جائے اور پھر اس کے جسم کا کچھ حصّہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اُس جگہ سے اُٹھ جائے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ماہرین نے بتایا ہے کہ اس طرح بیٹھنا یا لیٹنا کہ جسم کا کچھ حصّہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو طبّی لحاظ سے مضر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت غالباً اسی لئے فرمائی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ ——— رواه فی شرح السنه وروی مالك والترمذی وابن ماجة نحوه۔

بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اُس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے ۔ اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اسی بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے ——— (شرح السنہ للبغوی)

(اور ایسی ہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے) ———

(تشریح) حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پروا ہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا دے، اور (خدا پناہ میں رکھے) ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اس کو رضا و رحمتِ الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہونچا دے۔

بے ضرورت، بات کو لمبا نہ کیا جائے :۔

(۱۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِيْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَهٗ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ اَوْ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ ـــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی، اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ :۔ اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا ـــــــــ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں ـــــــــ یا آپ نے فرمایا کہ :۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ "بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے" ـــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اکتا جاتے ہیں، اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر و وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا اثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلۂ فوز و فلاح بھی ہو سکتی ہے اور موجب ہلاکت بھی :۔

(۱۷۵) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

پورا علم ہے) اور ایسا نہ کہے کہ خدا پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے (یعنی کسی کے حق میں ایسی بات نہ کہے کہ وہ بلاشبہ اور یقیناً اور عند اللہ پاک اور مقدس ہے، کیونکہ یہ خدا پر حکم لگانا ہے اور کسی بندہ کو اس کا حق نہیں ہے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۷) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم "مداحین" (بہت زیادہ تعریفیں کرنے والوں) کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "مداحین" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ ورانہ طور پر ان کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور ان کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منہ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو ـــــ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہار ناراضگی کے طور پر ان کے منہ پر حقیقۃً خاک ڈال دو، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انھیں کسی قسم کا انعام و اکرام کچھ نہ دو گویا "منہ پہ خاک ڈالنے" کا مطلب انھیں کچھ نہ دینا اور محروم و نامراد واپس کر دینا ہے۔ اور بلاشبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے، ـــــ تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منہ میں خاک! گویا یہ کنایہ ہے ان کے منہ میں خاک ڈالنا ہے ـــ حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو

کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے:—

کسی کی تعریف کرنا دراصل اُس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اُس آدمی میں اِعجاب نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے، اسلئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے ——— افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زمانہ ہمارے دینی حلقوں میں بھی بڑی بے پروائی برتی جا رہی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(۱۷۶) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْکَ ثَلٰثًا ——— مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ اِنْ کَانَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذٰلِکَ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کر کے) گردن کاٹ دی (یعنی ایسا کام کیا جس سے وہ ہلاک ہو جائے) ——— یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی ——— (اس کے بعد فرمایا) جو کوئی تم میں سے (کسی بھائی کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں (اور میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے) اور اس کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (آدمی کو حقیقت

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بد چلن لوگ ہی اُن کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

(الشعراء۔ ع۔ ۱۱)

بعض صحابہ نے شعر و شاعری کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر بُرا ہے تو وہ بُرا ہے ـــــ اور بعض موقعوں پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں ـــــ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

(۱۷۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ ـــــ رواہ الدارقطنی

وروی الشافعی عن عروۃ مرسلاً۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔ اس میں جو اچھا ہے، وہ اچھا ہے اور جو بُرا ہے وہ بُرا ہے۔

(سنن دارقطنی)

[اور امام شافعی نے اسی حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے حضرت عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔]

(۱۷۹) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

انھوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اُٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری ــــ زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندۂ خدا کی سچی تعریف اُس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض دوسرے صحابیوں کی جو مدح و تعریف کبھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر و سخن :-

اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر و شاعری عام تھی اور شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی، بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔ سورۂ یٰسین شریف میں فرمایا گیا ہے :-

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۔	ہم نے (اپنے نبی) کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کے لئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔
(یٰسین۔ ع۔ ۵)	

علاوہ ازیں جس قسم کی شعر و شاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت و کردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے ــــ ارشاد فرمایا گیا ہے :

"یَکْفِیْنِیْ الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی ــــــ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی[1] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(۱۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَیْئٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ هِیْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ بَیْتٍ ــــــــــ (رواہ مسلم وزاد فی روایۃ لَقَدْ کَادَ یُسْلِمُ فِیْ شِعْرِهٖ)

عمرو بن شرید اپنے والد شرید بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ ہی کی سواری پر سوار تھا، آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تمہیں امیہ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں یاد ہیں، آپ نے فرمایا سناؤ! تو میں نے ایک بیت آپ کو سنایا، آپ نے فرمایا اور سناؤ، میں نے ایک اور بیت سنایا، آپ نے پھر فرمایا اور سناؤ، تو میں نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اُمیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا)۔ ــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اُمیہ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا لیکن اُس کی شاعری خدا پر ستانہ تھی،

---

[1] فتح الباری ص ۴۲۹ ج ۱۵

وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً ـــــ رواہ البخاری

حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں۔ ـــــ (صحیح بخاری)

(۱۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)

ـــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اُس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مصرعہ "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" کو "شعر کی دُنیا کا سب سے سچا کلمہ" اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" ـــ اس کے ساتھ کا دوسرا مصرع یہ ہے "وَكُلُّ شَيْءٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ" (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے)۔

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انھوں نے اپنے دورِ جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی ـــ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ

قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا ——— (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں (مزاح میں بھی) حق ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔ ——— (جامع ترمذی)

(۱۸۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُکَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَۃٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَۃِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ۔

——— (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں میں تم کو سواری کے لئے ایک اونٹنی کا بچہ دوں گا، ——— اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا۔؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ اونٹنیوں ہی کے تو بچے ہوتے ہیں ——— (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے، جو اونٹ بھی دیا جائے گا وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا)۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاِمْرَأَۃٍ عَجُوْزٍ اِنَّہٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَھُنَّ؟ وَکَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَھَا اَمَا تَقْرَئِیْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنَاھُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا

——— (رواہ رزین)

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ نے اس کے بارہ میں فرمایا: "لَقَدْ كَادَ يُسْلِمُ فِي شِعْرِهِ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) ــــ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اُمیّہ بن الصّلت کے اشعار سُن کر فرمایا: "اٰمَنَ لِسَانُهُ وَكَفَرَ قَلْبُهُ" (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) ــــ اُمیّہ نے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہونچی مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

ظرافت و مزاح:۔

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کُن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرّت اور عزّت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جا سکتی ــــ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپؐ کی نہایت لذّت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

(۱۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا

لہ فتح الباری ص ۴۳۰ ج ۱۰

(تشریح) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس حدیث میں مزاح کی ممانعت جس سیاق وسباق میں کی گئی ہے اُس سے یہ صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ اسی مزاح کی ممانعت ہے جو ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)

ہنسی کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ "عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا" ہی بنا رہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی، ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ رویہ اور برتاؤ اُن لوگوں کے لئے کیسی قلبی و روحانی مسرت کا باعث ہوتا ہوگا اور اس کی وجہ سے اُن کے اخلاص و محبت میں کتنی ترقی ہوتی ہوگی ——

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے:۔

(۱۴۶) عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِیْ إِلَّا تَبَسَّمَ

—— —— —— رواہ البخاری ومسلم

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے مجھے اسلام نصیب ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے (خدمت میں) حاضری سے روکا ہو، اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا تو آپ نے تبسم فرمایا (یعنی ہمیشہ مسکرا کر ملے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) "مَا حَجَبَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ جب بھی میں نے حاضر خدمت ہونا چاہا تو آپ نے اجازت عطا فرمائی اور

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ "کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی"۔ اس (بیچاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جا سکیں گی؟ وہ بوڑھی قرآن خوان تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو "اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا"۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشوونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنا دیں گے۔ ——— (مسند رزین)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں حدیثیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لطیف مزاح کی مثالیں ہیں ——— بعض حدیثوں میں مزاح کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن اُن حدیثوں میں اس کا قرینہ موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوۂ حسنہ اس بارہ میں مندرجۂ بالا حدیثوں سے معلوم ہوا وہ بھی اس کا قرینہ بلکہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ممانعت اسی مزاح کی فرمائی گئی ہے جو دوسرے آدمی کے لئے ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

(۱۸۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ

——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، اور اُس سے مزاح (یعنی مذاق) نہ کرو اور اُس سے ایسا وعدہ نہ کرو جس کی تم وعدہ خلافی کرو۔

(جامع ترمذی)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ فِيْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

——————— رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے، پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اس اثنا میں) آپ کے صحابہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں خوب ہنستے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بس مسکراتے رہتے

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بھی زمانۂ جاہلیت کی ایسی لغویات و خرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ" (یعنی اس سلسلۂ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابِ کرام کے ساتھ اس طرح کا بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرتے تو ان حضرات پر آپ کا ایسا رعب چھایا رہتا جو استفادہ میں رکاوٹ بنتا۔ حضرات مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا تنزل تھا، اس کے بغیر مقصد رسالت کی تکمیل

شرف ملاقات بخشا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے منع فرمایا ہو۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رواہ الترمذی

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

(جامع ترمذی)

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ

رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو کبھی پوری طرح (کھل کھلاتے) ہنستا ہوا نہیں دیکھا کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) بعض روایات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کو "ضحک" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپؐ کی عادت شریفہ تھی، یعنی مسکرانا، البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے "ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں)۔

(۱۸۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

چھینکنے اور جمہائی لینے کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

چھینکنا اور جمہائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:-

(۱۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔

رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور اس کا جو بھائی (یا آپ نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر خدا کی رحمت) اور جب یہ بھائی "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہیے کہ چھینکنے والا اس کے جواب میں دعائیہ کلمہ کہے "يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرماوے) (صحیح بخاری)

(تشریح) چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے ابخرات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لیے صحت و اعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے اسلئے ہدایت فرمائی گئی کہ جس کو چھینک آئے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا

نہیں ہو سکتی تھی۔

صحابۂ کرام کے باہم ہنسنے ہنسانے کے اس تذکرہ کے ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک بزرگ تابعی بلال بن سعد کے دو بیان پڑھ لینا بھی انشاء اللہ موجب بصیرت ہوگا۔ یہ دونوں بیان مشکوٰۃ المصابیح میں "شرح السنہ" کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ ــــ انہوں نے فرمایا۔

نَعَمْ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ۔	ہاں بے شک وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔

(یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مُردہ کر دیتا ہے)۔

اور بلال بن سعد کا بیان ہے۔

اَدْرَکْتُهُمْ یَشْتَدُّوْنَ بَیْنَ الْاَغْرَاضِ وَیَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّیْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا۔	میں نے صحابۂ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

دوسرے آدمی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان (بھائی) کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہہ کے دُعا دی اور مجھے یہ دُعا نہیں دی، ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ ان (بھائی) نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہا تھا اور تم نے نہیں کہا (اس لئے خود تم نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کا حق کھو دیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹۳) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ، ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰی فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ ـــــ رواہ مسلم ـــــ

وفی روایۃ للترمذی اَنَّهٗ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَنَّهٗ مَزْکُوْمٌ۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے ہوئے) ایک شخص کو چھینک آئی تو آپ نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہہ کے ان کو دُعا دی، اُن کو دوبارہ چھینک آئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ زُکام میں مبتلا ہیں۔ (صحیح مسلم)

[اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری دفعہ چھینکنے پر یہ فرمایا تھا کہ ان کو زکام ہے۔]

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نزلہ زُکام کی وجہ سے کسی کو بار بار چھینک آئے تو اس صورت میں ہر دفعہ "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہنا ضروری نہیں ـــ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس بارہ میں واضح ہدایت آرہی ہے

(۱۹۴) عَنْ عُبَیْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا ـــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

اس دُعا دینے والے بھائی کو کہے "یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ"
ذرا غور کیا جائے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت نے ایک چھینک کو اللہ کی کتنی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنا دیا۔

(۱۹۱) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَّمْ یَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ

رواہ مسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے تو تم کو چاہیے کہ اس کو یَرْحَمُکَ اللّٰه کہہ کر دُعا دو، اور اگر وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" نہ کہے (اور خدا کو یاد نہ کرے) تو تم بھی یَرْحَمُکَ اللّٰه" نہ کہو (یعنی الحمد للہ نہ کہنے کی وجہ سے وہ تمہاری اس دُعا رحمت کا حقدار نہیں رہا)۔

(صحیح مسلم)

(۱۹۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ یُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِیْ قَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللّٰهَ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کو یَرْحَمُکَ اللّٰه" کہہ کر دُعا دی اور دوسرے کو آپ نے "یَرْحَمُکَ اللّٰه" نہیں کہا، تو اس

کوئی اضافہ نہ کرنا چاہئے اگرچہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھک لیتے تھے، اور اس کی آواز کو دبا لیتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے کے وقت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اُس وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیا جائے اور چھینک کی آواز کو بھی حتی الوسع دبا لیا جائے۔

(۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِهٖ عَلٰی فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔

رواہ مسلم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کرلے، کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بدنما انداز میں کھل جاتا ہے اور ہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر

عبید بن رفاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ تو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہو اور اس سے زیادہ چھینکیں آئیں تو اختیار ہے چاہے "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہو، چاہے نہ کہو۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۹۵) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَیْسَ ھٰکَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

رواہ الترمذی

حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انھوں نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا، ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہنا تعلیم فرمایا ہے، اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کی بھی تعلیم دی ہے ـــــ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خاص موقعوں کے لئے ذکر یا دعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے

کھانے پینے کے احکام و آداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن میں ماکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے ـــــ دوسرے وہ جن میں خورد و نوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے، یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ"[1] (یہ نبی امی اچھی اور پاکیزہ چیزوں (الطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (الْخَبَائِث) کو حرام قرار دیتے ہیں)۔

---

[1] الاعراف ع۔ ۱۹۔

ایک بدنما ہیئت ہوجاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمہائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کرلینا چاہیئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور دد مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور چہرہ کی ہیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی ـــ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہوسکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے ـــ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمہائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کردیتا ہے[1] ـــ واللہ اعلم

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰۰ ج ۲ (آداب العجبہ)

بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (فَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث و ملعون ہیں اور خدا کی لعنت و غضب کا مظہر ہیں، اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا البتہ چونکہ بندر کو غالباً دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے، اس لئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے کہ بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی اُمت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنا لیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا ـــــ اور احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (ویقتل الخنزیر) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ اُن کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآنِ مجید میں "فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے، اس کی حُرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اسلئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ـــــ ان کے علاوہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکملہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارہ میں ہدایات فرمائی ہیں۔

قرآن و حدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ جن چیزوں کو آپؐ نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے اُن میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے، اسی طرح جن چیزوں کو آپ نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں، اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

قرآن مجید میں پینے والی چیزوں میں سے صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے حدیثوں میں اس کے بارے میں مزید تفصیلی اور تاکیدی احکام ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ کی آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا ــــ اور غذائی اشیاء میں سے ان چیزوں کی حُرمت کا قرآن پاک میں واضح اعلان فرمایا گیا ہے ــــ

مَیْتَۃ، یعنی وہ جانور جو اپنی موت مرچکا ہو، خون یعنی وہ لہو جو رگوں سے نکلا ہو، خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو (وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ) ــــ یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے، حالانکہ پہلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اور بار بار ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

مَیْتَۃ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرتِ سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اُس سے گھن کرتی ہے۔ اور طبّی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے، کیونکہ جیسا کہ علماءِ طب نے کہا ہے حرارتِ غریزیہ کے گھٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں سمیت کا اثر آجاتا ہے۔

خون یعنی لہو کا بھی یہی حال ہے کہ فطرتِ سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی، اور شریعت میں اس کو قطعاً ناپاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب و جلال نے بعض سخت مجرم اور

وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے) پرندے کے کھانے سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ نکیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں "ناب" اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے، اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین، ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بیچارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو مخلب یعنی پنجہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا، یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

(۲۰۰) عَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض دوسری حدیثوں میں گدھوں کے ساتھ خچروں کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ہی جانوروں کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے، اور یہ بھی محرمات میں سے ہیں۔

(۱۹۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَاْكُلُوْنَ اَشْيَاءَ وَيَتْرُكُوْنَ اَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَاَنْزَلَ كِتَابَهٗ وَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا "قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً" الاٰية ـــــ رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے عرب) کچھ چیزوں کو (طبعی خواہش اور رغبت کی بنا پر) کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو (طبعی نفرت اور گھن کی بنیاد پر) نہیں کھاتے تھے، ـــ (اسی طرح اُن کی زندگی چل رہی تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی، اور جو چیزیں عند اللہ حلال تھیں اُن کا حلال ہونا بیان فرمایا اور جو حرام تھیں اُن کا حرام ہونا بیان فرمایا، ـــ (پس جس چیز کو اللہ و رسول نے حلال بتلایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بتایا ہے وہ حرام ہے)۔ اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے (یعنی اس کا حلال یا حرام ہونا بیان نہیں فرمایا گیا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے استعمال پر مواخذہ نہیں) اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس نے بطور سند یہ آیت تلاوت فرمائی "قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً" الاٰية

ـــــ (سنن ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے بعد کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار وحیِ الٰہی اور خدا و رسول کا حکم ہے۔ کسی کی پسند و ناپسند اور رغبت و نفرت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۱۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۰۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنْ اَکْلِ الْھِرَّۃِ وَاَکْلِ ثَمَنِھَا ـــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی

(سنن ابی داؤد و ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، علماء اور شارحین کے نزدیک اس ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

(۲۰۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الْجَلَّالَۃِ وَاَلْبَانِھَا ـــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جلّالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔

(جامع ترمذی)

تشریح) کبھی کبھی بعض جانوروں اونٹ گائے، بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھانے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے، ایسے ہی جانور کو جلّالہ کہا جاتا ہے، اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے ـــــ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ اس کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہوگا ـــــ اب وہ گوشت اور دودھ "جلّالہ" کا نہیں رہا۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَاَذِنَ فِيْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن منع فرمایا پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے اور اجازت دی گھوڑوں کے گوشت کے بارہ میں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر اکثر ائمہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ سے کراہت کا قول نقل کیا گیا ہے ـــــ غالباً اس کی بنیاد یہ ہے کہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت خالد بن الولیدؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گدھے اور خچر کے ساتھ گھوڑے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی ہے ـــ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت وحرمت دلائل کی بنا پر مشتبہ ہو جائے تو وہ ازراہ احتیاط ممانعت کو ترجیح دیتے ہیں، غالباً اسی لئے انھوں نے گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اُن کے کچھ دلائل ہیں۔ لیکن فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آخر میں امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے قول کی طرف رُجوع فرمالیا تھا اور جواز کے قائل ہو گئے تھے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صحیحین کی حدیث ہے۔ واللہ اعلم

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے، بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے، اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو "شریطۂ شیطان" کہا گیا ہے، جس کے معنی ہیں شیطان کا گھائل کیا ہوا، گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

(۲۰۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ اَکْلِ لَحْمِ الضَّبِّ۔

رواہ ابوداؤد

عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہؒ کا قول یہی ہے، لیکن آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کھانا ناجائز نہیں ہے، اس بنا پر دوسرے اکثر ائمہ نے اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

(۲۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَیْمُوْنَۃَ وَھِیَ خَالَتُہٗ وَخَالَۃُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَھَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ الضَّبُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ لَا، وَلٰکِنْ لَمْ یَکُنْ بِاَرْضِ قَوْمِیْ

(۲۰۴) عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یَجُبُّوْنَ اَسْنِمَۃَ الْاِبِلِ وَیَقْطَعُوْنَ اَلْیَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا یُقْطَعُ مِنَ الْبَھِیْمَۃِ وَھِیَ حَیَّۃٌ فَھِیَ مَیْتَۃٌ لَا تُؤْکَلُ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب (مکہ سے ہجرت فرما کے) مدینہ تشریف لائے تو یہاں (نہایت سنگدلانہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ) کچھ لوگ کھانے کے لئے اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے (جو بہت مرغوب قسم کا گوشت ہوتا ہے) اور اسی طرح دنبوں کی چکتی کاٹ لیتے (اور پھر اس اونٹ اور دنبہ کا علاج کر لیتے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں فرمایا کہ کسی زندہ جانور میں سے جو گوشت کاٹا جائے گا وہ مردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابوداؤد)

(۲۰۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ شَرِیْطَۃِ الشَّیْطَانِ زَادَ ابْنُ عِیْسٰی ھِیَ الذَّبِیْحَۃُ تُقْطَعُ مِنْہُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرٰی الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَکُ حَتّٰی تَمُوْتَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا "شریطۂ شیطان" کے کھانے سے ——— حدیث کے راوی ابن عیسیٰ نے لفظ "شریطۂ شیطان" کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس کی اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ (سنن ابی داؤد)

لحاظ سے مؤخر اور ناسخ سمجھتے ہیں ـــــ علاوہ ازیں ابھی کچھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کا عام دستور اور رویہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت اور حرمت کے بارہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ اندا و احتیاط حرمت کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْهُ ـــــ رواه البخاری

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ گھی میں چوہا گر گیا اور مر گیا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارہ میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ اس مرے ہوئے چوہے کو اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو، اور پھر باقی گھی کو کھا لو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ گھی منجمد ہو، لیکن اگر منجمد نہ ہو بلکہ رقیق اور سیّال ہو تو پھر وہ سارا گھی کھانے کے لائق نہیں رہے گا۔

(۲۰۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِدًا فَاَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَاِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ

ـــــ رواه احمد وابوداؤد ورواه الدارمی عن ابن عباس

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب چوہا گھی میں گر جائے (اور مر جائے) تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو ـــ اور اردگرد کے گھی کو نکال کے پھینک دو، اور اگر گھی پتلا ہو تو پھر اُس کے پاس نہ جاؤ، (یعنی اس کا کھانا جائز نہیں ہے نہ کھاؤ)۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

فَاَجِدُنِیْ اَعَافُہٗ، قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُہٗ فَاَکَلْتُہٗ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْظُرُ اِلَیَّ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے ان سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا (راوی نے بتلایا کہ حضرت میمونہ خالد بن الولید اور عبداللہ بن عباس کی بھی حقیقی خالہ تھیں، آگے حضرت خالد کا بیان ہے کہ) میں نے دیکھا کہ ان کے (یعنی ہماری خالہ میمونہ کے) پاس ایک بھنی ہوئی گوہ ہے، وہ انھوں نے کھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھادی، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا، (جس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کو کھانا نہیں چاہتے) تو خالد بن الولید نے (جو کھانے میں شریک تھے) پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، (یعنی حرام تو نہیں ہے) لیکن یہ ہمارے علاقہ میں (یعنی مکہ کی سرزمین میں) ہوتی نہیں تھی اس لئے میری طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی، ــــ خالد نے بیان کیا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر) میں نے اس کو اپنی طرف سرکا لیا اور کھاتا رہا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھتے رہے (یعنی آپ نے مجھے کھاتا دیکھا اور منع نہیں فرمایا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جو حضرات ائمہ گوہ کی حلت کے قائل ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی حدیث ہے، اس کے علاوہ بھی بعض حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ کا کھانا حلال ہے، امام ابوحنیفہؒ کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیثیں غالباً اس زمانہ کی ہیں جبکہ اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، اور جب تک کسی چیز کی حرمت کا حکم نہ آئے وہ مباح ہے، بہرحال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ممانعت کی حدیث کو جو اوپر درج ہو چکی ہے، زمانہ کے

(تشریح) خرگوش جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے، اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

(۲۱۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۱۳) عَنْ سَفِیْنَۃَ قَالَ اَکَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَحْمَ الْحُبَارٰی ـــــــ رواہ ابوداؤد

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبارٰی پرند کا گوشت کھایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) لغت کی کتابوں میں "حُبارٰی" کے ترجمے مختلف کیے گئے ہیں، بعض نے سرخاب کیا ہے اور بعض نے تغدری، بہرحال "حُبارٰی" پرندہ ہے اور معلوم ہے کہ وہ سب پرندے حلال ہیں جو ذی مخلب نہیں ہیں، یعنی جو جھپٹا مار کر پنجے سے شکار نہیں کرتے اور جو فطرت کے لحاظ سے موذی اور خبیث نہیں ہیں۔

(۲۱۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ، اَلْمَیْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْکَبِدُ وَالطِّحَالُ ـــــــ رواہ احمد وابن ماجہ والدارقطنی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال قرار دی گئی ہیں ہمارے لئے دو مُردہ چیزیں اور خون کی دو قسمیں، دو مُردہ چیزیں ہیں مچھلی اور ٹڈی، اور خون کی دو قسمیں ہیں کلیجی اور تلی (کہ دراصل یہ دونوں منجمد

[اور یہی حدیث دارمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے]

(۲۱۰) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاَیٰ حِمَارًا وَحْشِیًّا فَعَقَرُوْهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَیْءٌ ؟ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سفر میں) ایک گورخر اُن کی نظر پڑا (وہ اچھے ماہر شکاری تھے) انھوں نے اُس کو زخمی کر کے شکار کر لیا (پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کے بارہ میں دریافت کیا کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟) آپ نے فرمایا کہ اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس ہے؟ ابوقتادہ نے عرض کیا کہ ہاں اُس کا ایک پاؤں ہے (اور وہ پیش کر دیا) آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور تناول فرمایا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ گورخر حلال ہے اور شکار کیا ہوا جانور حلال طیب ہے۔

(۲۱۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَیْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَیْهَا فَقَبِلَهٗ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے مَرُّ الظَّہران کے جنگل میں ایک خرگوش دوڑا کر پکڑ لیا اور میں اس کو (اپنے مُربّی) ابوطلحہ کے پاس لے آیا، انھوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کی دونوں رانیں اور کولھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بطور تحفہ کے) بھیجا تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُو عُبَيْدَةَ فَجَعَنَا جُوعًا شَدِيدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللهُ إِلَيْكُمْ وَأَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَأَكَلَهُ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں "جیش الخبط" کے جہاد میں شریک تھا اور ابو عبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے، (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہوئے، تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی جو مر چکی تھی، ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا، ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینہ تک کھایا، پھر ابو عبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (غالباً پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا، پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ نے فرمایا کھاؤ، اللہ تعالیٰ واسطے (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا، اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، جابر کہتے ہیں کہ ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بھیجا، تو آپ نے [illegible] فرمایا

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ۶ھ کی ایک جہادی مہم کا واقعہ

خون ہیں)۔　　(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سارے حلال جانوروں کے لئے شرعی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کئے جائیں تو حلال ہیں اور اگر بغیر ذبح کئے مرجائیں تو مردار اور حرام ہیں لیکن دو چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی۔ یہ دونوں مری ہوئی بھی حلال ہیں۔ اسی طرح کلیجی اور تلی اگرچہ یہ دونوں دراصل منجمد خون ہیں اور خون حرام ہے۔ لیکن جب وہ جم کر کلیجی اور تلی کی شکل اختیار کرلے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔

(۲۱۵) عَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ کُنَّا نَاْکُلُ مَعَہُ الْجَرَادَ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات غزوے کیے ہیں (یعنی سات غزووں میں ہمیں آپ کی معیت و رفاقت نصیب ہوئی ہے)۔ ہم ان غزووں میں آپ کے ساتھ رہ کر ٹڈیاں بھی کھاتے تھے۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اَکْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰہِ لَا اٰکُلُہٗ وَلَا اُحَرِّمُہٗ" (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں اُن کو خود تو نہیں کھاتا لیکن حرام نہیں بتلاتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں، لوگ ان کو کھا سکتے ہیں ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ خود ٹڈی نہیں کھاتے تھے ـــــ اسی کی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام حضورؐ کے ساتھ غزوات میں ٹڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ منع نہیں فرماتے تھے اس مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایات میں "معہ" کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں "کنا نأکل الجراد" ـــ واللہ اعلم۔

اُس کے بعد واپسی ہوئی اور قریباً آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے، ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا، تو جن روایات میں آدھے مہینہ تک کھائے جانے کا ذکر ہے، اُن میں صرف سفر واپسی سے پہلے دنوں کا ذکر کیا گیا ہے، جبکہ بعد لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا، اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا اُن میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے، کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے کچھ نہ کچھ استعمال کیا جاتا رہا ــــ واللہ اعلم

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابو عبیدہ کے شک وشبہ کا ذکر آیا، تو آپ نے یہ فرما کر کہ "كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ" اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اُس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے باہر نکلوایا تھا، ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہئے ــــ آخر میں آپ نے اُن لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اور اُس عطیہ ربانی کی قدردانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا۔

وَأَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ ــ (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ)

چنانچہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی، جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب و غریب مخلوق معلوم ہوتی ہوگی حلال طیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اسی مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰهُنَا أَقْوَامًا حَدِيثُ عَهْدِهِمْ بِشِرْكٍ يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي أَيَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا؟ قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوا۔ ــــــــ رواہ البخاری

ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قریباً تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت ابو عبیدہ کو بنایا گیا تھا، پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابو عبیدہ کو دی تھیں، اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا، ابوداؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابو عبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس حصہ میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے، اور یہ اللہ کے سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے، خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منہ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے، بس یہی دن بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا ____ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھاڑ کے اور انھیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے، اس سے ہمارے منھ زخمی ہو گئے اور سوج گئے، اس لشکر کو "جیش الخبط" کے نام سے اسی لیے یاد کیا جاتا ہے، خبط کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابر ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارہ سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی سی نظر پڑی، قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے حضرت ابو عبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا، بعد میں انھوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کیلئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں، اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے، پھر اس بارے میں انھیں شرح صدر ہو گیا تو انھوں نے لشکر کو اس کے کھانے کی اجازت دے دی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا ____ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینے کے قریب اس علاقے میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراغت سے کھائی جاتی رہی

کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہو گئے ہو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ لب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ان کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس بارہ میں تمہارے دل میں کوئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہئے یعنی ہماری شریعت میں ان کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔ قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے "طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ" (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے اگر تم وہی طریقہ اپناؤ گے تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو۔ ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے والحمد للہ۔

مشروبات کے احکام

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شریعت کا بنیادی اصول وہی ہے جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ"۔ اس بنا پر مشروبات بھی جو طیبات ہیں یعنی پاکیزہ اور مرغوب، خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ پھلوں کا رس، اچھے شربت، نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیے گئے ہیں ——— اور ان کے برعکس جو مشروبات "خبیث" اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار

لہ سورہ مائدہ رکوع ۱۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا شرک کا زمانہ قریب ہی کا ہے (یعنی کفر کا زمانہ کے نو مسلم ہیں اور ابھی ان کی اسلامی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکی ہے) وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ذبح کرتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں (تو اس صورت میں وہ گوشت کھائیں یا نہ کھائیں؟) آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کا نام لو اور کھا لو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ وہم میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرتے ہوں گے اس لئے تم اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر انھوں نے اللہ کا نام لیے بغیر ہی کافرانہ طریقہ پر ذبح کر دیا ہے تو تمہارے بسم اللہ پڑھنے سے اب وہ حلال ہو جائے گا، قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام۔ ع ۱۴)	اور جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ، اس کا کھانا سخت گناہ ہے

(۲۱۸) عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى فَقَالَ لَا يَخْلُجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعَتْ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةُ۔

رواہ الترمذی

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارہ میں سوال کیا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارہ میں تمہارے دل میں

سے عربوں میں خاص کر اہلِ مدینہ میں شراب کا بیحد رواج تھا، گھر گھر شراب بنتی اور پی جاتی تھی، اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں، اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی حاصل تھا، وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جُوئے کا بھی تھا وہاں جُوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ مند اور دریا دل لوگ ہی وہ جوا کھیلتے تھے، اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غربا اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے اس لئے جُوا بھی امیروں کا ایک عزیز کھیل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا ـــــ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی ـــــ بہرحال شراب کا چونکہ وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بُری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارہ میں ابتداءً تو نرم تدبیر کی روش اختیار کی گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکلخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ ہر قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے، چنانچہ جب یہ بات پیدا ہو گئی تو یہ سخت احکام واپس لے لئے گئے ـــــ اس تمہید کے بعد شراب کی حرمت سے متعلق آگے درج ہونے والی

دیے گئے ہیں ۔۔۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض اُن چیزوں کی حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض طبقے کھاتے تھے جیسے کہ مُردار جانور اور خنزیر وغیرہ، اسی طرح مشروبات میں خمر یعنی شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس کے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ نے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

شراب کی حرمت کا حکم:۔

شراب کے حرام قرار دیے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اُس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے اس جوہر عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفت الٰہی کا وسیلہ ہے، اُن حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے جن کو اُن کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے ۔۔۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے، علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے دور رس اور تباہ کن فسادات برپا ہو جاتے ہیں ۔۔۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست صلحاء اور روحانیت پسند رہنماؤں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کی ہے۔

آگے جو احادیث شراب کے بارے میں درج ہوں گی اگر یہ پس منظر ناظرین کے ذہن میں رہنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے

اسلام کی عام تعلیمات اور اُس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ واللہ اعلم)
ان کے اس سوال کے جواب میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ	اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے شراب اور
الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ	جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ
كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ	انھیں بتا دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ ہے
وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ	بہت، اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے، اور ان
نَّفْعِهِمَا	کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انھوں نے قرأت میں کچھ گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا	اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے
الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى	پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو، تاوقتیکہ
حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	(تمھیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمھیں معلوم ہو کہ تم کیا
	کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اس کا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا	اے ایمان والو! بلاشبہ یہ شراب اور جوا

حدیثیں پڑھئے۔

(۲۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَشْرَبُوْنَهَا وَيَأْكُلُوْنَ الْمَيْسِرَ فَسَأَلُوْهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الآية" فَقَالَ النَّاسُ مَا حُرِّمَ عَلَيْنَا وَكَانُوْا يَشْرَبُوْنَ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمٌ صَلّٰى رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِأَصْحَابِهٖ وَخَلَطَ فِيْ قِرَاءَتِهٖ فَنَزَلَتْ آيَةٌ اَغْلَظُ مِنْهَا "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى. الآية" وَكَانُوْا يَشْرَبُوْنَ حَتّٰى نَزَلَتْ اَغْلَظُ مِنْهَا "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ـــ الآية" قَالُوْا اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا. فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَاسٌ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مَاتُوْا عَلٰى فُرُشِهِمْ كَانُوْا يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَأْكُلُوْنَ الْمَيْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللّٰهُ رِجْسًا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَنَزَلَ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا. الآية" ـــــــ رواہ احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت (تدریجاً) تین دفعہ میں کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے، تو دونوں چیزوں کے بارے میں لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ

فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیۃ۔

پینے پر جبکہ ان کا حال یہ ہو کہ وہ خدا سے ڈرکر پرہیزگاری کا زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مانتے ہوں اور اچھے کام کرتے ہوں الخ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں جا بجا کردی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شراب کی حرمت کے بارے میں ابتداءً تدریجاً دو یہ اختیار کیا گیا اور آخر میں سورۂ مائدہ کی آیت میں اس کے بارہ میں "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" فرماکر اس کی قطعی حرمت کا اعلان فرمایا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی شراب ہی میں نازل ہوئی۔

(۲۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِيْ مَنْزِلِ اَبِيْ طَلْحَةَ فَنَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ فَاَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادٰى فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُخْرُجْ فَانْظُرْ مَا هٰذَا الصَّوْتُ؟ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هٰذَا مُنَادٍ يُّنَادِيْ اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ لِيْ اِذْهَبْ فَاَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرَتْ فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قُتِلَ قَوْمٌ وَهِيَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ قَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا"۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (میرے مربی اور سرپرست) ابوطلحہ انصاری کے گھر میں مجلس قائم تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا اور میں پلانے والا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوگیا (یعنی سورۂ مائدہ کی

الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝

اور بُت اور پانسے (جو ایک خاص قسم کے جوئے میں استعمال ہوتے تھے) یہ سب چیزیں (گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں، لہٰذا ان سے کلی پرہیز کرو، پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (اور تم کو آپس میں لڑا دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز جیسی نعمت سے (جو بارگاہ خداوندی کی حضوری ہے) تم کو روک دے تو کیا اب تم (شراب اور جوئے وغیرہ سے) باز آؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا!" (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) ـــــ پھر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو راہِ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (بیمار پڑ کر) انتقال کر چکے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے ـــــ اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہِ خدا میں شہید ہو گئے تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟) تو اس کے جواب میں بعد والی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ

اُن صاحبِ ایمان اور نیکوکار بندوں پر کوئی گناہ (اور مؤاخذہ) نہیں ہے اُن کے کھانے

وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورۂ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جسمیں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے ـــــ اور حضرت انس کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لیے جو اُن کی سرپرستی میں تھے اُن ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی، انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ نے اُن سے فرمایا "اهرق الخمر واكسر الدنان" یعنی شراب کو بہادو پھینک دو اور جن مٹکوں میں وہ ہے اُن کو بھی توڑ دو۔

شراب کی حرمت اور شرابی کے بارہ میں وعیدیں:۔

(۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ ـــــ رواہ مسلم

وہ آیت نازل ہوگئی جس میں شراب کو "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" بتلا کر اس کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے) تو آپ نے اُسی وقت ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اس کا اعلان مدینہ میں کر دے، چنانچہ اس نے (معمول کے مطابق پکار کے) اعلان کیا تو ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ انس باہر جا کر دیکھو کہ یہ کیسی پکار ہے اور کیا اعلان ہو رہا ہے؟ میں باہر نکلا اور (واپس آکر) میں نے بتلایا کہ منادی یہ اعلان کر رہا ہے کہ "شراب حرام ہوگئی" تو ابو طلحہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور اس ساری شراب کو باہر لے جا کر بہا دو، ــــ چنانچہ (میں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے گھروں سے بھی شراب بہائی گئی جس کی وجہ سے) شراب مدینہ کی گلیوں سے بہنے لگی ــــ انس کہتے ہیں کہ اس دن وہ شراب تھی جو "فضیخ" بولی جاتی ہے ــــ پھر بعض لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی کہ بہت سے بندگانِ خدا ایسی حالت میں شہید ہوئے ہیں کہ شراب اُن کے پیٹ میں تھی (تو اُن کا کیا انجام ہوگا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب کی قطعی حرمت کے اس حکم کے آنے سے پہلے اس دُنیا سے جا چکے اور ان کی زندگی ایمان اور عملِ صالح اور تقوے والی تھی تو اس پچھلے دور کے کھانے پینے کے بارے میں اُن سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) "فضیخ" ایک خاص قسم کی شراب بنائی جاتی تھی کچی پکی کھجوروں کے بایک ٹکڑے کر کے اُن کو پانی میں ڈال دیا جاتا تھا، ایک مقررہ مدت گزرنے پر اس میں سُرور اور نشہ پیدا ہو جاتا تھا، اُس زمانہ میں یہ اوسط درجہ کی ایک شراب تھی جو بہت آسانی سے بن جاتی تھی۔

(۲۲۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی راوی کو شک ہے کہ "طِینَۃُ الْخَبَالِ" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "عَرَقُ اَھْلِ النَّارِ" فرمایا تھا یا "عُصَارَۃُ اَھْلِ النَّارِ" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" ــــ بہرحال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں طِینَۃُ الْخَبَالِ ضرور پلائے گا ــــ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا! ــــ

(۲۲۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَعَثَنِیْ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ وَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصَّلِیْبِ وَاَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ وَحَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِیْ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِیْ جُرْعَۃً مِّنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُہٗ مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَھَا وَلَا یَتْرُکُھَا مِنْ مَخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُہٗ مِنْ حِیَاضِ الْقُدْسِ ــــ رواہ احمد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا، اور میرے رب عزوجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز (یعنی ہر وہ مشروب جس کو پی کر نشہ آجائے) خمر (شراب) کا مصداق ہے اور حرام ہے اور جو کوئی دنیا میں شراب پیئے اور اس حال میں مرے کہ برابر شراب پیتا ہو اور اُس نے اس سے توبہ نہ کی ہو تو وہ آخرت میں جنت کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔ (صحیح مسلم)

(۲۲۳) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَالَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهٗ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ـــــــ اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جس کو "مزر" کہا جاتا تھا اور وہ جوار سے بنتی تھی، آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مزید آپ نے فرمایا کہ سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" ضرور پلائے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ، یا فرمایا کہ دوزخیوں کے

قدسی حوضوں کی شرابِ طہور سے ہمیں سیراب فرمائے۔

نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(۲۲۵) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ

رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجه

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(مسند ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

[قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔]

شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کی جائے۔

(۲۲۶) عَنْ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ

رواه مسلم

حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے (صحیح مسلم)

گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کی شراب ضرور اپنے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں ــــ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانۂ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا اور معازف و مزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا ــــ معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک، طبلہ، ستار سارنگی وغیرہ۔ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ ــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو و لعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں، اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں ــــ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی کامیابی ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں اُن میں دوسری خرافات کے علاوہ معازف و مزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق و فجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا ــــ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان بزرگانِ دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روحِ نبوی کو کتنا صدمہ پہونچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور شراب پینے والوں کے بارہ میں اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے اُن بندوں میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اُس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے

علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ پیدا کرتی ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس سے بچو، بالکل استعمال نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں کے لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، (یعنی مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کہنے سننے سے اس کا استعمال چھوڑ دیں) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ کے مسلمان اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اپنے واسطے شراب کے استعمال کو ناگزیر اور ضروری سمجھیں تب بھی ان کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ یا بستی والے شراب کے استعمال پر اجتماعی طور پر اصرار کریں اور باز نہ آئیں تو اسلامی حکومت ان کے خلاف طاقت استعمال کرے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں شراب نوشی کتنا سنگین جرم ہے۔

شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید:۔

(۲۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ

رواہ احمد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ شراب پینے والا اگر اسی حال میں مرے گا تو خدا کے سامنے اس کی پیشی مشرک اور بت پرست کی طرح ہوگی۔ (مسند احمد)

(۲۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا

(تشریح) بعض قرائن کی بنا پر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اُس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) شراب کے بارہ میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا اور اس سلسلہ میں بعض اُن چیزوں کو بھی منع فرما دیا تھا جن کی بعد میں آپ نے اجازت دے دی۔ اس بنا پر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو، معتمد اور حاذق طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدر ضرورت استعمال کی جا سکتی ہے، واللہ اعلم۔

شراب نوشی پر اصرار کرنے والی قوم کے خلاف اعلانِ جنگ:۔

(۲۲۷) عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا، قَالَ هَلْ يُسْكِرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ إِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ قَاتِلُوْهُمْ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ سرد علاقہ میں رہتے ہیں اور وہاں بڑی سخت محنت کرتے ہیں، اور ہم گیہوں سے ایک شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں اور اس سے قوت و طاقت حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے سخت محنت طلب کام بھی کر لیتے ہیں اور اپنے ملک کی سردی کا مقابلہ بھی کر لیتے ہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ

طرف سے مقرر تھا (اور اُن کا معتمد ملازم تھا) اُن کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو اگر آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کر لوں؟ ——— حضرت سعد نے اُس کے جواب میں خط لکھا،

إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي فَاعْتَزِلْ ضَيْعَتِي فَوَاللّٰهِ لَا أُئْتَمِنُكَ عَلَى شَيْءٍ بَعْدَهُ أَبَدًا[1]

(جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمین اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا)

بہرحال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بنا پر الگ اور ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جا سکتی ہے۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۲۳۷) عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُوا النَّاسَ وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَيَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفْتِنَا فِي شَرَابَيْنِ كُنَّا نَصْنَعُهُمَا بِالْيَمَنِ الْبِتْعُ وَهُوَ مِنَ الْعَسَلِ يُنْبَذُ حَتّٰى يَشْتَدَّ وَالْمِزْرُ وَهُوَ مِنَ الذُّرَةِ وَالشَّعِيرِ يُنْبَذُ حَتّٰى يَشْتَدَّ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُعْطِيَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ بِخَوَاتِيمِهِ فَقَالَ أَنْهٰى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ

---

[1] رواہ النسائی۔ جمع الفوائد ص۔۔۔ ج۔۱

وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا ـــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دس آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور خود اپنے واسطے نچوڑنے والے پر، اور اس کے پینے والے پر، اور ساقی یعنی پلانے والے پر، اور اس پر جو شراب کو لے کر جائے، اور اس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر، اور اس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ میں شراب دے اور اس پر جو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کھائے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اس کی نگاہِ کرم سے محرومی کی بددعا، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے خواہ اس کو بنانے والا یا بنوانے والا ہو، یا پینے والا یا پلانے والا ہو، یا خریدنے والا یا بیچنے والا ہو، کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہونچانے والا ہو، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہِ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسندِ احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات نے صحابۂ کرام کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنا دیا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے، ایک دفعہ اُن میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اُس محافظ نے جو اُن کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے اُن کی

اُمّت کی شراب نوشی کے بارے میں ایک پیشین گوئی:۔

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعتِ اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ متعدد احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن آپ پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ کے اس سخت رویّہ کے باوجود آپ کی اُمّت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پئیں گے اور اپنے بچاؤ کیلئے بطورِ حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں گے اور اس نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جُرم ہوگا۔

(۲۳۱) عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ـــــ رواہ ابوداؤد وابن ماجه

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ میری اُمّت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (از راہ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔

(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

شراب کے سلسلہ میں کچھ سخت ہنگامی احکام:۔

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جب سُورۂ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت

أَسْكَرَ عَنِ الصَّلٰوةِ ـــــ رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (دعوت و تبلیغ اور دوسرے دینی مقاصد کے لئے) مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور ہم لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دینا اور اُن کو (خوش خبری کی) بشارتیں سُنانا اور اُن سے ایسی باتیں نہ کرنا جن سے وہ دُور بھاگیں اور اُن کو وحشت ہو، نیز لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، اُن کو مشکلات میں نہ ڈالنا! ـــــ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہمیں دو شرابوں کے بارے میں شریعت کا حکم بتا دیجئے، جو ہم یمن میں بنایا کرتے تھے (یعنی وہاں اُن کے پینے کا عام رواج تھا) ایک وہ جسے بِتْع کہا جاتا ہے وہ شہد سے بنائی جاتی ہے (مقررہ حساب سے) شہد میں پانی ملا کر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے، اور دوسری وہ شراب جسے مِزر کہا جاتا ہے اور وہ چینا اور جَو سے بنائی جاتی ہے اسے بھی پانی میں چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے۔ (الغرض ان دو شرابوں کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری نے شرعی حکم دریافت کیا)۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو "جوامع الکلم اور خواتم الکلم" کی نعمت عطا فرمائی تھی، یعنی آپ کو اس کی خاص صلاحیت بخشی تھی کہ (بہت مختصر الفاظ میں) انتہائی جامع، مانع اور فیصلہ کن بات فرما دیتے تھے (چنانچہ آپ نے میرے سوال کے جواب میں) ارشاد فرمایا، "اَنْهٰى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ اَسْكَرَ عَنِ الصَّلٰوةِ" (میں ہر اُس چیز کی ممانعت کرتا ہوں جو نشہ آور ہو اور نماز سے آدمی کو غافل کر دے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے بطور قاعدہ کلیہ کے معلوم ہو گیا کہ جس چیز کے کھانے پینے سے نشہ پیدا ہو اور نماز جیسی چیز سے غفلت ہو جائے وہ شریعت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے ـــــ اس سے بھنگ وغیرہ اُن تمام نباتات کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو نشہ سدا کرتی ہیں، اور نشہ ہی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں، ــــ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اندیشہ باقی نہیں رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر اس کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

(۲۳۳) عَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَانْتَظِرُوْا فَلَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ــــ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاَشْرِبَةِ اِلَّا فِيْ ظُرُوْفِ الْاَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ اَنْ لَّا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا

ــــــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو کچھ برتنوں کے استعمال سے منع کر دیا تھا (اب میں اس کی اجازت دیتا ہوں) کیونکہ صرف برتن کی وجہ سے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہو جاتی ــــ (ہاں یہ ملحوظ رہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہٰذا اس سے بچو) ــــ اور یہی حدیث اس طرح بھی روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "میں نے تم کو منع کیا تھا کہ چمڑے کے برتنوں (مشکیزوں) کے سوا کوئی اور برتن استعمال نہ کرو، (اب میں اجازت دیتا ہوں کہ) ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو، لیکن کوئی نشہ پیدا کرنے والی چیز ہرگز نہ پی جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی قطعی حرمت نازل ہو جانے کے بعد اس کے بارہ میں کچھ زیادہ سخت احکام مذکورہ بالا مصلحت سے وقتی اور عارضی طور پر بھی دیئے تھے جو بعد میں واپس لے لئے گئے۔

ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں اس اُمّ الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پرانی عادت کبھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں

(۲۳۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُّنْبَذَ فِيْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ ــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دُبّا یا حَنتم یا مُزفّت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے، اور حکم دیا کہ بس چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) کھجور یا منقّی یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آجائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں ــــ عربوں میں اس کا بھی رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو نوش فرماتے تھے ــــ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے ــــ دُبّا لَدو کی توبنی ہوتی تھی، حَنتم اور مُزفّت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں، اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا ــــ بہرحال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے، جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرما دیا ــــ غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر دل میں

نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔

(۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنْبَذُ لَهٗ زَبِيْبٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ تَمْرٌ اَوْ تَمْرٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ زَبِيْبٌ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خشک انگوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں، یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرمالیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ شام کے وقت نوش فرمالیتے تھے۔

(۲۳۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِيْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ ——— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے (اپنے ایک پیالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے اپنے اس پیالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے والی سب چیزیں پلائی ہیں، شہد بھی، نبیذ بھی، پانی بھی اور دودھ بھی۔ صحیح مسلم

(۲۳۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ خَلِیْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ انْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدٍ عَلٰحِدَةٍ ــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) پکی خشک کھجوروں اور ادھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے، اور پکی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملاکر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملاکر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہوجانے کا امکان ہوتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالباً یہ حکم بھی آپ نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا۔ اور آپ اُمت کی تربیت کے لئے اس بارہ میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیے گئے تھے۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی میں ساتھ ڈالکر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ نوش فرماتے تھے۔

کھانے پینے کے آداب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے اشیاء خورد و نوش کے بارے میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب سلیقہ اور وقار سے ہے، یا اُن میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور اُن کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفسِ حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، رُوحانی و نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی گزشتہ تین قسطوں میں جو احادیث درج ہوئیں ان کا تعلق اشیاء خوردنی و نوشیدنی کی حلت و حرمت سے تھا، آگے وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے آداب کی تلقین فرمائی ہے۔ ان حدیثوں میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کھانے پینے کے جن آداب کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے ان کا درجہ استحباب اور استحسان کا ہے، اسلئے اگر اس پر عمل نہ ہو تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

(۲۳۹) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبیذ استعمال کرتے تھے اور آپ کے واسطے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا۔

(۲۳۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوُ الْبَارِدُ

_____ رواه الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے میں ٹھنڈا میٹھا محبوب و مرغوب تھا۔ (جامع ترمذی)

حضورؐ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام :۔

(۲۳۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنْ بُيُوتِ السُّقْيَا۔ (قَالَ قُتَيْبَةُ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ يَوْمَانِ) _____ رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیوت سُقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ امام ابوداؤد کے استاذ قتیبہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، اُن کا بیان ہے کہ یہ مقام (بیوت سُقیا) جہاں سے حضور کیلئے یہ میٹھا پانی لایا جاتا تھا، مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں ٹھنڈے میٹھے کی رغبت، یا اسی طرح کھانے پینے کی کسی اچھی چیز کی رغبت جو فطرتِ سلیم کا تقاضہ ہے، مقام زہد کے منافی نہیں ہے اور اللہ کے تعلق و محبت کی بنا پر اس کا اہتمام کرنا سعادت ہے۔

اُس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دافع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے"۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اور اُصولِ صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھوکر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے[1]۔

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے "وضو" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مُراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے، بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے، بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

(۲۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِیْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَیْءٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ ـــــ رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر اور اس کی بُو ہو اور اس کی وجہ سے اسے کوئی گزند پہونچ جائے (مثلاً کوئی کیڑا کاٹ لے) تو وہ بس اپنے ہی کو ملامت کرے (اور اپنی ہی غلطی اور غفلت

[1] ظاہر ہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے۔ اگر بالفرض ہاتھ نہ لگے، مثلاً چمچہ ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا۔

اَلْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعثِ برکت ہے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھونا باعث برکت ہے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد)

(تشریح) قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آدابِ طعام کے سلسلے میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھولینے (یعنی کلی کرلینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ نے بتلایا کہ یہ بھی باعثِ برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش ہو، اور دل بھی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور طاعت کی توفیق ملے ـــــ دراصل یہ سب

کرنے کے لیے (کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا کوئی فرض و واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے) یہ عمل کیا ہو ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے، اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا ــــ

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بہ ظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا، صحابہ کرام بھی نماز کے لئے مسجد میں آ چکے تھے، اسوقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے، ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھا لیا جائے آپ نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرما لیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے بھر پیٹ تو کھایا نہ ہوگا، تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا ــــ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ ــــ راقم سطور کا خیال ہے کہ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا ــــ واللہ اعلم ــــ

حدیث میں سگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا، اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جا سکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

کا نتیجہ سمجھے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کا مدعا اور تقاضا یہی ہے کہ کھانے کے بعد خاص کر جب ہاتھ میں چکنائی وغیرہ کا اثر ہو تو ہاتھوں کو اس طرح دھو لیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے ـــــ اور اور چونکہ یہ صرف استحبابی حکم ہے اس لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی عمل فرمایا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا:۔

(۲۴۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى أَنْ مَسَحْنَا أَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ ـــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لاکر پیش کیا، آپ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے یہی بات ظاہر

نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آجائے اسی وقت بندہ کہہ لے "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، شروع میں بھی اور آخر میں بھی)۔

(۲۴۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ——— رواہ مسلم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے، روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کر لیتا ہے (یعنی اس کے لئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے، جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا، لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، اگرچہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چلو، یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے ——— اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آکر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا، تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آجاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ

کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اُس کا نام لیا جائے:

(۲۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللّٰهَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ ـــــــ رواه ابوداؤد والترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہیئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے "بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ"۔

(سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعثِ برکت ہے، اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے، اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے، جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کرلے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت اور فائدہ حاصل کرسکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربّانی اور نُورانی عمل بن جاتا ہے ـــــ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں سے تھے، اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مومنہ تھیں، حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے، ۳ھ یا ۴ھ ہجری میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوہ اُم سلمہ سے اُن کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا، اُن کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپؐ کی آغوشِ تربیت میں آگئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپنے میں اُس زمانہ میں جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا، تو حضورؐ نے مجھے بُلایا اور سکھایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو، ــــــ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے)۔

(۲۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کچھ پیئے تو داہنے ہاتھ سے پیئے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) انسان اپنے ہاتھوں کو پاک و ناپاک ہر قسم کے کاموں اور چیزوں میں استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کی فطری طہارت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ نجاست و گندگی کی صفائی جیسے کاموں کے لئے ایک ہاتھ کو مخصوص کر دیا جائے اور دوسرے کاموں میں دوسرا ہاتھ استعمال ہو۔ اس فطری تقاضے کے مطابق دفع نجاست وغیرہ کے لئے بایاں ہاتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اور باقی کھانے پینے وغیرہ دوسرے سارے اچھے اور پاکیزہ کاموں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں۔ اور خلقی اور فطری لحاظ سے بائیں ہاتھ

بھی ہے اور راشن کھانا بھی ہے ——

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہیئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور اُن کے افعال و صفات ان اُمورِ غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے، خود خدا کی ذات و صفات کا حال بھی یہی ہے مومن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر اعتماد کرے۔

کھانا داہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے:۔

(۲۴۴۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور سابقین اولین

(تشریح) اس حدیث میں کھانے کے وقت جوتا اُتار دینے کا حکم دیتے ہوئے اس کی جو حکمت اور مصلحت بیان فرمائی گئی ہے (کہ اس سے پاؤں کو زیادہ آرام ملے گا) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حکم شفقت کی بنا پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جوتا پہنے کھانا کوئی گناہ کی بات ہو۔

کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے:۔

(۲۴۸) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهَا کَانَتْ اِذَا اُتِیَتْ بِثَرِیْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّیَ حَتّٰی تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَکَةِ ــــــــــــــ رواہ الدارمی

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُن کا یہ طریقہ تھا کہ جب ثرید پکا کر اُن کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رکھی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرزِ عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کر کے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔

(مسند دارمی)

(تشریح) ثرید ایک معروف و مرغوب کھانا ہے، جس کا عہد نبویؐ میں زیادہ رواج تھا، ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا ــــــ اس روایت میں اگرچہ خاص ثرید کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجبِ برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی

کے مقابلہ میں داہنے ہاتھ کی فضیلت اور برتری ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ لہٰذا یہ حکم اور یہ تقسیم بالکل فطرت کے بھی مطابق ہے ــــ اس بنا پر بائیں ہاتھ سے کھانا بالکل ایسی اُلٹی بات ہے کہ کوئی آدمی بجائے پاؤں کے سر کے بل چلے، اسی لئے آگے درج ہونے والی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ اور اس کا عمل ہے، کیونکہ شیطان کی فطرت یہی ہے کہ ہر کام اُلٹا کرے۔

(۲۴۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَاْكُلَنَّ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِهَا۔

رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ اس سے پیئے۔ کیونکہ (یہ شیطانی طریقہ ہے) وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

(صحیح مسلم)

جُوتا اُتار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے:۔

(۲۴۷) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهٗ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ ــــــ رواہ الدارمی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو اپنے جوتے اتار دیا کرو اس سے تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت ملے گی۔ (مسند دارمی)

عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو! اور اللہ کا نام لے کر، یعنی بسم اللہ کرکے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو، پھر تمھارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی)۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اسکا ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو، جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے، یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھالیں اور اچھی طرح کھالیں ـــــ اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔

آگے درج ہونے والی حدیث کو بھی اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۲۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ ـــ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے، ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

[کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔]

(تشریح) کنز العمال میں معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث قریب قریب

شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اصول طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے اس میں برکت ہے ——— (کنز العمال ص۳۰۳ ج ۸)

ساتھ کھانے میں برکت ہے:۔

(۲۴۹) عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ۔

——— رواہ ابوداؤد

وحشی[1] بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے

---

[1] یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنھوں نے غزوۂ اُحد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محب و محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتل سیدنا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دعی نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے اور یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرا دے، ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسیلمہ انہی کے نیزہ کا نشانہ بنا، ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ۱۲

اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ بیچ سے) نہ کھائے بلکہ نیچے والے حصے
يَاكُلْ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ (یعنی کنارہ سے) کھائے کیونکہ برکت بالائی
الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا۔ حصہ سے اترتی ہے۔

(تشریح) ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ برکت دراصل ایک امرِ الٰہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ادراک ہوتا تھا اور آپ محسوس فرماتے تھے کہ برکت براہِ راست کھانے کے وسط میں نازل ہوتی ہے، اور پھر اس کے اثرات اطراف و جوانب کی طرف آتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ کھانے والے، برتن کے کناروں سے کھاتے رہیں بیچ میں ہاتھ نہ ڈالیں ــــ کھانے وغیرہ میں برکتیں نازل ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے جو پہلے تھا لیکن یقین اور استحقاق شرط ہے۔

جو کھانا انگلیوں میں یا برتن میں لگا رہ جائے اسکی بھی قدر کی جائے:۔

(۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيَّتِهَا الْبَرَكَةُ ــــــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کر لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جز میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جز میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی نافعیت رکھی ہے، اس لئے کھانے کے جو اجزا انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر

انہی الفاظ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے فَاجْتَمِعُوْا عَلَيْهِ وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ (لہٰذا تم کو چاہئے کہ الگ الگ نہ کھایا کرو، بلکہ جڑ کے ساتھ کھایا کرو)۔

اس اضافہ سے معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "ایک کا کھانا دو کے لئے اور دو کا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے" ان کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے کہ لوگ اجتماعی طور پر ایک ساتھ کھایا کریں اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھائیں، لیکن شرط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے۔

(۲۵۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَسْطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسْطِهَا۔

رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید سے بھری ہوئی ایک لگن آئی، آپ نے (لوگوں کو اس میں شریک فرمایا اور) فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ اور بیچ میں ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ثرید آنے کا مذکورہ بالا واقعہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ	جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اُسے
طَعَامًا فَلَا يَاْكُلْ مِنْ	چاہئے کہ طباق کے بالائی حصہ سے (یعنی

أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ يَكُونُ الْبَرَكَةُ۔

رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ "تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی، شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے ـــــ پھر جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے ـــــ اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے، بلکہ ضرورت مند اور قدردان بندہ کی طرح اس کو اٹھا لے، اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھا لے ـــــ اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے، اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

کھانے میں شیطانی تصرفات: یہ حقیقت ہے یا مجاز؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے، اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپ کو کبھی کبھی اُن کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا، جس طرح ہم اس دنیا

صاف کرلیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کرلیا جائے ــــ اس میں اللہ کے رزق کی قدردانی بھی ہے اور ربِ کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی ــــ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۔ پروردگار تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ نُبَیْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِیْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ ــــــــ رواہ احمد والترمذی والدارمی وابن ماجة۔

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو کوئی قصعہ (طباق یا لگن) میں کھائے اور اس کو بالکل صاف کردے (کہ اس میں کچھ لگا نہ جائے) تو وہ قصعہ اس آدمی کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

گرا ہوا لقمہ بھی اُٹھا کر کھا لیا جائے:۔

(۲۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَاْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے وغیرہ کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور اُن کے افعال و تصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیلہ سے نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

اگر کھانے میں مکھی گر جائے:۔

(۲۵۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِی الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهٗ يَتَّقِیْ بِجَنَاحِهِ الَّذِیْ فِيْهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهٗ

رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو، کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو دفع کر کے) شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے، (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح یہ اُن حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں، حالانکہ اگر فطرت کے اسرار اور حکمت کے اصولوں کا

کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) ـــــ اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے، اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ـــــ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے ـــــ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں آئے، اُن کیلئے کھانا لایا گیا، وہ کھا رہے تھے کہ اُن کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا، انھوں نے اس کو اُٹھا لینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دُور ہوتا چلا گیا، یہانتک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انھیں اس پر تعجب ہوا، اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انھوں نے جدوجہد کر کے (آخرکار) اُس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنا لیا ـــــ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنّی شیطان مسلّط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا، میں اس کے پاس پہونچا، مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا تو میں نے اس کے ہاتھ سے اُچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے، ایک گاجر اُن میں سے گر گئی، ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اٹھا کر اس کو کھا لیا، تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اُٹھا، پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اُس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجر اُٹھا کے کھالی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ

[ان سطور میں حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ بھی بنیادی طور پر حجۃ اللہ البالغہ ہی سے ماخوذ ہے۔]

کھانے کے معاملہ میں حضور صلعم کی شانِ بندگی:۔

(۲۵۶) عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَآ اٰکُلُ مُتَّکِئًا ——— رواہ البخاری

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا"۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے، حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہیے۔

کنز العمال میں مسند ابو یعلیٰ اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ — میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں،

وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ — اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون بعض دیگر صحابۂ کرام کی روایات کا بھی ہے۔ —— ان سب احادیث و روایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے، متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔ اور جو بندہ کھانے

تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلافِ قیاس یا مستبعد ہو، بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی بات ہے۔

یہ ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبّرہ ان کو خارجی اعضا کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادّہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو، کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتہً کم زور اور کم کام دینے والا ہو، (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ)۔

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اور اعلیٰ و اشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے، اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتہً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور اُن کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے انھوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ ہو تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفا کا مادہ ہو ــــ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم بالکل اصولِ حکمت کے مطابق ہے ــــ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو، بلکہ ایک طرح کی طبّی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خوان پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی تشتریوں اور پیالوں میں کھایا، نہ کبھی خاص طور سے آپ کے لئے گھر میں چپاتیاں بنائی گئیں، ــــ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد "کتاب الرقاق" میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کس قدر سادہ اور غریبانہ بلکہ فقیرانہ تھی۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت:۔

(۲۵۸) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنِ الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ فِیْ اِنَاءِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ

ــــــــــــــ رواہ النسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن نسائی)

(تشریح) سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا دراصل اپنی دولت مندی اور سرمایہ داری کی بے جا نمائش اور ایک طرح کا استکبار ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ــــ اور صحیحین کی ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ جو شخص سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو گویا وہ جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں داخل کر رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!

آنحضرت صلعم کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے:۔

(۲۵۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَھَاہُ اَکَلَہٗ وَاِنْ

کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور وہ ربِ کریم حاضر و ناظر ہے اور میں اس کے سامنے اور اس کی نگاہ میں ہوں، وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

(۲۵۷) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ ـــ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاْكُلُوْنَ؟ قَالَ عَلَى السُّفَرِ ـــــــــــ رواہ البخاری

حضرت قتادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی تشتری یا پیالی میں کھایا، اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی ـــ قتادہ سے پوچھا گیا، تو پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا کہ دسترخوانوں پر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) خِوان (جس کا ترجمہ خُوان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (مُترفین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دسترخوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح امیر لوگوں کے دسترخوان پر سُکُرُّجہ یعنی چھوٹی چھوٹی تشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں ـــ خود صحابۂ کرام کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہو گئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب و مدعا بھی بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں نہایت سادگی اور جفاکشی کی شان ہوتی تھی، نہ آپؐ نے کبھی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکی تر کھجوریں کھیرے کے ساتھ تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۶۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ وَيَقُولُ يُكَسَّرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ اور پکی تر کھجوریں ایک ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کھجوروں کی گرمی کا توڑ اس خربوزہ کی ٹھنڈک سے ہو جاتا ہے اور خربوزہ کی ٹھنڈک کا توڑ کھجوروں کی گرمی سے ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۶۳) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی (اور گوشت کے شوربے) سے بنی ہوئی ثرید، اور ملیدہ والی ثرید (یعنی روٹی، کھجور اور گھی کا ملیدہ یہ دونوں چیزیں) زیادہ مرغوب تھیں۔

(سنن ابی داؤد)

(۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ ـــــ رواہ البخاری

كَرِهَهُ تَرَكَهُ ـــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں یہ خرابی ہے یا یہ عیب اور نقص ہے) اگر مرغوب ہوا تو تناول فرمالیا اور نامرغوب ہوا تو نہ کھایا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آپ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں :-

(۲۶۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ ـــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر دعوت کیا جو اس نے تیار کیا تھا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلا گیا (غالباً خادم کی حیثیت سے اس کو بھی دعوت کیا گیا ہوگا) تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں لوکی کے قتلے تھے اور سکھائے ہوئے گوشت کی بوٹیاں تھیں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے قتلے پیالے کے اطراف سے چن چن کر تناول فرماتے ہیں، تو اس دن سے لوکی مجھے بھی مرغوب اور محبوب ہوگئی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۶۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ ۝　　جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کھانے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر کھانے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل اور ایک بشری تقاضا ہے، نورانی اور روحانی بنا دیتا ہے، اور اس پر خدا پرستی اور عبادت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی جلد پنجم میں کھانے سے فراغت کے بعد کی وہ متعدد دعائیں درج کی جا چکی ہیں جو کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اس لئے یہاں صرف ایک ہی دعا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) "حلوا" عربی میں ہر میٹھی چیز اور میٹھے کھانے کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر میٹھی چیز اور خاص کر شہد مرغوب تھا۔

کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اُس کا شکر۔

(۲۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّاْکُلَ الْاَکْلَۃَ فَیَحْمَدُہٗ عَلَیْھَا اَوْ یَشْرَبَ الشَّرْبَۃَ فَیَحْمَدُہٗ عَلَیْھَا۔

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اس عمل سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے اور اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے۔ یا کچھ پیئے اور اس پر اس کی حمد اور شکر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(۲۶۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا ساری حمد و ستائش اس اللہ پاک کیلئے

پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

[اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوش گوار ہے۔]

(تشریح) اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بنا پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ ناپسندیدہ اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم

پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے:۔

(۲۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ ـــــــ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابی داؤد وابن ماجہ)

(تشریح) بعض لوگ برتن سے پانی پیتے پیتے اسی میں سانس لیتے ہیں، اس حدیث میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے، اور اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ برتن میں پھونک ماری جائے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ اور تہذیب و سلیقہ کے خلاف ہیں اور صحت کے لئے بھی مضر ہیں۔

کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت۔

(۲۷۰) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ

پینے کے آداب

ایک سانس میں نہ پیا جائے۔

(۲۶۷) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ ——— رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو، بلکہ دو دو یا تین تین سانس میں پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرو۔ (جامع ترمذی)

(۲۶۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا ——— رواه البخاری ومسلم ——— وزاد مسلم يَقُوْلُ إِنَّهُ أَرْوٰى وَأَبْرَأُ وَأَمْرَأُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لباس کے احکام و آداب

اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد:-

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ نے واضح ہدایات دیں۔ ــــ اس باب میں آپ کی تعلیمات و ہدایات کی اساس و بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ	اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ	کپڑے عطا کیے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو
وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ	اور تجمل و آرائش کا سامان، اور تقوے کا لباس
(الاعراف۔ ع ۳)	تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصّوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہیے، اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور باوقار معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔ ــــ

نہی اَن یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا ——— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے ——— اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہوگا یا آپ نے بیانِ جواز کے لئے کیا ہوگا۔ کچھ ہی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و اولیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ کے حق میں اس وقت یہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا واللہ اعلم۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

لباس نعمتِ خداوندی اور اس کا مقصد:۔

(۲۷۱) عَنْ اَبِیْ مَطَرٍ اَنَّ عَلِیًّا اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِثَلٰثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ۔

رواہ احمد

ابو مطر تابعی سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا اور جب اُسے پہنا تو کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ	حمد و شکر ہے اس اللہ کے لئے جس نے
مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ	مجھے یہ لباس زینت عطا فرمایا جس سے
بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ	میں لوگوں میں آرائش حاصل کرتا ہوں
عَوْرَتِیْ۔	اور اپنی ستر پوشی کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ (کپڑا پہن کر) اسی طرح ان ہی الفاظ میں اللہ کی حمد و شکر کرتے تھے۔ (مسند احمد)

(تشریح) جامع ترمذی میں قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے معلوم ہوا کہ لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کا اصل مقصد ستر پوشی اور تجمل و آرائش ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اُس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر و نعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپؐ کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ یا بے تکا ہو کہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و وحشت پیدا ہو۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذا شان و شوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو، جو مقام عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے، اور یہ کہ مرد خاص عہدوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

اس سلسلہ میں آپؐ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو انھیں چاہئے کہ اس طرح رہیں اور ایسا لباس پہنیں جس سے محسوس ہو کہ اُن پر اُن کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کا ایک شعبہ ہے، لیکن بے جا تکلف و اسراف سے پرہیز کریں، اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ غریب و نادار بندوں کی دل شکنی اور اُن کے مقابلہ میں تفوق و بالاتری کی نمائش نہ ہو ــــ نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں ــــ بلاشبہ ان احکام و ہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔

عورتوں کے لئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت

(۲۷۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَمْ تَصْلُحْ اَنْ يُّرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ ـــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہونچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے ـــــ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے، یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں ـــــ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ نکلیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں ـــــ ستر اور حجاب شریعت کے یہ دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماء کے حضورؐ کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماء اس طرح آپ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت :۔

(۲۷۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ اَنْ يَّمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَّاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ۔ ـــــــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے، یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے، مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس کو "اِشْتِمَالِ صَمَّاء" کہا جاتا تھا، اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے۔ اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سرینیں زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی (کیونکہ حصۂ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو اِحْتِبَاء کہتے تھے، اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلنے سے بھی ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ بھی وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہوگا۔

وجیہ کلبی کو بھی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے تو اپنا پیراہن (کرتا) بنا لیجو اور دوسرا ٹکڑا بیوی کو دے دیجو وہ خمار کے طور پر استعمال کر لے گی، اور چونکہ وہ باریک تھا، اس لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ بیوی سے کہہ دیجو کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ جسم اور بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو باریک کپڑے پہننے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ اسکے نیچے دوسرا کپڑا ہو جس کے بعد جسم اور سر کے بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔

لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت:۔

(۲۷۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث میں "ثوب شہرت" سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہونچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں ——— یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے، ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کے لئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہوگا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض

امام مالکؒ نے موطا میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں، تو حضرت صدیقہ نے اس کو اُتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خمار اوڑھادی۔ ظاہر ہے کہ حضرت صدیقہ کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ.....

(۲۷۴۳) عَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيٍّ فَأَعْطَانِيْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اِصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ أَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَأَعْطِ الْآخَرَ اِمْرَأَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهِ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ وَأْمُرِ امْرَأَتَكَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا ـــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قبطی چادریں آئیں تو آپ نے ان میں سے ایک مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا ایک ٹکڑے کا تو اپنا کرتہ بنا لینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کو خمار (اوڑھنی) کے طور پر استعمال کرلے گی ـــــ پھر جب دحیہ اٹھ کر جانے لگے تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ حجم وغیرہ۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) "قباطی" سفید رنگ کی باریک بڑھیا قسم کی چادریں ہوتی تھیں جو عہد نبویؐ میں مصر سے آتی تھیں، ایک دفعہ کہیں سے وہ چادریں حضورؐ کے پاس آئیں تو آپؐ نے ان میں سے ایک حضرت

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَمَا أَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ فَفِي النَّارِ، قَالَ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا ـــــ رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے کہ مومن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو از راہِ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کے چلے گا۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ان حدیثوں میں فخر اور غرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے اُس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہِ رحم و کرم کا سخت محتاج اور آرزومند ہوگا، وہ اس کی نگاہِ رحمت سے محروم رہیں گے، اللہ تعالیٰ اُس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا ـــــ کیا ٹھکانا ہے اس محرومی اور بدبختی کا ـــــ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو، اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر و غرور

صورتوں میں موجب اجر و ثواب ہوگا ـــــ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لیے جائز نہ ہوگا کہ کسی کے لباس کو نمود و نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر اعتراض کریں، ہاں اپنے دل، اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں ـــــ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید:۔

عہد نبوی میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اس قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے، گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائیں۔

(۲۷۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر نیچا کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۷۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِزْرَۃُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ

وَسَلَّمَ قَالَ أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُوْرِهَا ـــــ رواه الترمذی والنسائی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری اُمت کی عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) دوسری حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ مردوں کے لئے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو، اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایسا کپڑا بھی مردوں کے لئے جائز ہے جو ریشمی نہ ہو، لیکن اس پر نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے ہوں، یا دو چار انگل کا ریشمی حاشیہ ہو۔

مردوں کے لئے شوخ سُرخ رنگ کی ممانعت :۔

(۲۸۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ ـــــ رواه الترمذی و ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے) ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سُرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا اس نے حضورؐ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سُرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں، اور سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضورؐ کا عتاب تھا اسی حدیث کی بنا پر مردوں کے لئے شوخ سُرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض

کا جذبہ ہو، آگے درج ہونے والی حدیث میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۷۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اِزَارِیْ یَسْتَرْخِیْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاھَدَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ لَسْتَ مِمَّنْ یَفْعَلُہٗ خُیَلَاءَ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی فخر و تکبر کے طور پر اپنا کپڑا زیادہ نیچا کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا (حضرت عبداللہ بن عمر راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا تہبند اگر میں اس کا خیال نہ رکھوں تو نیچے لٹک جاتا ہے، حضورؐ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر و غرور کے جذبہ سے ایسا کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا تہبند یا پاجامہ بے خیالی کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو یہ گناہ کی بات نہیں ہے ——— علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پاجامہ تفاخر و استکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اسی پر جہنم کی وعید ہے، اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بنا پر ہے تو مکروہ ہے، اور اگر نادانستہ بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہو، تو اس پر کوئی مواخذہ اور عتاب نہیں، معاف ہے۔

مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت:۔

(۲۷۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

مردانہ لباس پہنیں۔ (سنن ابی داؤد)

مَردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ:۔

(۲۸۴۳) عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّيَابَ الْبَيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ ——— رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو، وہ زیادہ پاک صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۲۸۴۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو خالص سفید رنگ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی بہتر یہ ہے کہ مرنے کے بعد قبروں میں اللہ کے حضور میں حاضری ہو تو سفید کفن میں ہو، اور مساجد میں (جو اس دنیا میں اللہ کے دربار ہیں) حاضری ہو تو سفید کپڑوں میں ہو ——— لیکن دوسری بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات مختلف رنگ کے کپڑے بھی پہنتے تھے ——— چنانچہ آپ سے سبز یا ہلکے نیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہے، اسی طرح زرد رنگ کے بھی، نیز سرخ دھاری دار چادر اوڑھنا اور سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمانا بھی ثابت ہے ——— اس لئے متعدد

نے مکروہ ۔ بہرحال حضورؐ کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ کی سخت ناراضی و ناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ۔

مَردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس ہیئت کی ممانعت :۔

(۲۸۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّہِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّہَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ ۔ ــــــــ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی اُن کی کا شکل و ہیئت، اُن کا سا لباس اور اُن کا انداز اپنائیں) اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی اُن کی سی شکل و ہیئت بنائیں، اُن کا سا لباس اور طرز و انداز اختیار کریں)۔ (صحیح بخاری)

تشریح) اس حدیث میں خصوصیت سے لباس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق تشبہ پر لعنت فرمائی گئی ہے، لیکن تشبہ کی بہت نمایاں صورت یہی ہے کہ مرد زنانہ لباس پہن کر اور عورتیں مردانہ لباس اپنا کر اپنی فطرت کے تقاضوں سے بغاوت کریں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لباس کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے:۔

(۲۸۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَۃَ الْمَرْاَۃِ وَالْمَرْاَۃَ تَلْبَسُ لِبْسَۃَ الرَّجُلِ ۔ ــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو

اَنْ یُّرٰی اَثَرُ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ ——— رواہ الترمذی

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :— اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اُس پر اُس کا اثر نظر آئے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس مد میں بیجا اسراف کرتے ہیں اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا مرضِ طبیعت کے گنوارپن کی وجہ سے صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اُس کو اس طرح رہنا چاہئے کہ دیکھنے والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

خوب کھاؤ، پہنو، بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو :———

(۲۸۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ یُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِیْلَۃٌ ———

——— رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :— اجازت ہے خوب کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور

بالا دونوں حدیثوں میں سفید رنگ کے کپڑوں کے استعمال کی جو ترغیب دی گئی ہے اس کا درجہ بس ترغیب ہی کا ہے، اور اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں کے لئے رنگین لباس ہی زیادہ پسند فرمایا گیا ہے، ازواج مطہرات کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں

(۲۸۵) عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِیْ اَلَکَ مَالٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَیِّ الْمَالِ؟ قُلْتُ مِنْ کُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ قَالَ فَاِذَا اٰتَاکَ اللّٰہُ مَالًا فَلْیُرَ اَثَرُ نِعْمَۃِ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَکَرَامَتِہٖ ــــــــ رواہ احمد والنسائی

ابوالاحوص تابعی اپنے والد (مالک بن نضلہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں بہت معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں (اللہ کا فضل ہے) آپ نے پوچھا کہ کس نوع کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے، اونٹ بھی ہیں، گائے بیل بھی ہیں بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں، غلام باندیاں بھی ہیں ــــ آپ نے ارشاد فرمایا جب اللہ نے تم کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام و احسان اور اس کے فضل و کرم کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہئے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

(۲۸۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ

کیا یہ آدمی ایسی کوئی چیز نہیں پا سکتا تھا جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کر لیتا۔
(اور اسی مجلس میں) آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا
تو ارشاد فرمایا:۔ کیا اس کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر
صاف کر لیتا؟ ——— (مسند احمد، سنن نسائی)

ڈاڑھی اور سر کے بالوں کی خبر گیری اور درستی کی ہدایت:——

(۲۸۹) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّاسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ ———

رواہ مالک

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی مسجد میں آیا، اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکے) تھے۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرائے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آ گیا، تو آپ نے فرمایا:—— کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے ——— (مؤطا امام مالکؒ)

کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ وہ اسراف اور تیت میں فخر و استکبار نہ ہو ——

—— (مسند احمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)۔

(تشریح) کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال غذاؤں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہونچے، اور دل میں تفاخر اور استکبار نہ ہو —— امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ ——

"كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا	جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو
شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ	(جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں
سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ"	ایک اسراف اور دوسرے استکبار و تفاخر۔

اس باب میں یہی بنیادی اصول اور معیار ہے۔

اُول جلول، پراگندہ حال اور میلے کچیلے رہنے کی ممانعت: ——

(۲۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَأَى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ رَأْسَهُ وَرَأَى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟ ——

—— رواہ احمد والنسائی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کی نظر ایک پراگندہ حال آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال بالکل منتشر تھے تو آپ نے فرمایا کہ:۔

سادگی اور خستہ حالی بھی ایک ایمانی رنگ ہے :

(۲۹۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کیا تم سنتے نہیں، کیا تم سنتے نہیں (یعنی سنو اور غور سے سنو اور یاد رکھو) کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ یہ آپ نے مکرر ارشاد فرمایا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ظاہری سادگی و خستہ حالی، اور زینت و آرائش کی طرف سے بے فکری یا کم توجہی، اندرونی ایمانی کیفیت سے بھی پیدا ہوتی ہے، اور یہ ایمان ہی کا ایک شعبہ اور ایک رنگ ہے۔

لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام واکرام :

(۲۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا ـــــ رواہ الترمذی

معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود از راہِ تواضع و خاکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے

(تشریح) ان حدیثوں سے اُن اہلِ تقشف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حُسن و قبح سے بے پروا ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہیئے اور صفائی، ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی اُن کے نزدیک گویا دنیا داری کی بات ہے ـــــ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں ـــــ ہاں صورت و لباس وغیرہ کے بناؤ سنوار کا حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول و بے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہیں، جیسا کہ آگے آنے والی بعض احادیث سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل و صورت کی اصلاح اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جیسا کہ ان کے مضامین سے ظاہر ہے، ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنھوں نے اپنے حُلیے بگاڑ رکھے تھے ـــــ آج بھی جن کا یہ حال ہو اُن کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنا چاہیئے ـــــ اس کے برعکس جو لوگ اِس بارے میں افراط میں مبتلا ہوں اور لباس اور ظاہری شکل و صورت کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہمیت دیں، اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھنے لگیں، اُن کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہیئے۔ اِن حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

عمرو بن شعیب والی حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے پھٹے حال رہیں جیسے کہ انھیں کپڑے نصیب ہی نہیں، ایسے لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اُس کے رہن سہن اور اس کے لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے ——— اور ابو امامہ اور معاذ بن انس کی ان حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس کے مخاطب در اصل وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو زیادہ اہمیت دیتے، اور اُس کے بارے میں بہت زیادہ اہتمام اور تکلف سے کام لیتے ہیں، گویا آدمی کی قدر و قیمت کا وہی معیار اور پیمانہ ہے۔

اصلاح و تربیت کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ افراط اور غلو کے مریض ہوں اُن سے اُن کے حال کے مطابق اور جو تفریط کی بیماری میں مبتلا ہوں اُن سے اُن کے حسب حال اصلاح کی بات کی جائے۔ اگر کوئی آدمی محل اور مخاطبین کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھے گا تو بسا اوقات اُس کو مصلحین کی ہدایتوں اور نصیحتوں میں تضاد محسوس ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس: ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے بارے میں اُن حدود و احکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورۂ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اُسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اُس زمانے میں آپؐ کے علاقے اور آپؐ کی قوم میں رواج تھا۔ آپ تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے، اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا قیمتی جبے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوشنما یمنی

جو جوڑا بھی پسند کرے اُس کو زیب تن کرے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ بشارت اُن بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب و نادار بندے کا دل ٹوٹے ——— بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ ——— اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اِس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ محشر کے سامنے انھیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہلِ ایمان جنتیوں کیلئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہوں گے فرمایا جائے گا کہ ان میں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب: ———

اگر کسی کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہو کہ ابھی اُوپر ابوالاحوص اور عمرو بن شعیب کی دو حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں مال و دولت اور استطاعت کی صورت میں اچھا لباس پہننے کی ہدایت فرمائی گئی ہے ——— اور یہاں اس حدیث میں قدرت و استطاعت کے باوجود اچھا لباس نہ پہننے پر ایسے عظیم انعام و اکرام کی بشارت سنائی گئی ہے، اور اس سے اوپر والی ابوامامہ کی حدیث میں بہت ہی اہتمام اور زور کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ: "ان البذاذة من الایمان، ان البذاذة من الایمان" جس کا حاصل یہی ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کا ایک شعبہ ہے ——— در اصل ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ان کا محل الگ الگ ہے ——— ابوالاحوص اور

رضی اللہ عنہا نے ہم کو نکال کے دکھائی ایک دبیز دوہری چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند اور کہا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضورؐ کا وصال ہوا تھا (یعنی آخری وقت میں حضورؐ کے جسم اطہر پر یہی دو کپڑے تھے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۳) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبَّ الثِّيَابِ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصُ ــــــــ

ــــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں کُرتا زیادہ پسند تھا ــــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) کُرتے کو حضورؐ غالباً اِسلئے زیادہ پسند فرماتے تھے کہ وہ جبّے اور چادر کی بہ نسبت ہلکا ہوتا ہے اور لباس کا مقصد اس سے اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے ــــــــ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے کُرتے کی آستینیں ہاتھ کے پہنچوں تک ہوتی تھیں، اور نیچے کی جانب ٹخنوں سے اُوپر تک ہوتا تھا۔

(۲۹۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبَّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهَا الْحِبَرَةُ ــــــــ

ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں سے حِبَرہ (چادر) کا پہننا بہت پسند تھا ــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حِبَرہ یمن کی بنی ہوئی ایک خاص سوتی چادر ہوتی تھی جس میں سُرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں، یہ اوسط درجے کی اچھی چادروں میں سمجھی جاتی تھی۔ حضرت انسؓ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادروں میں سے حِبَرہ قسم کی چادر کا استعمال زیادہ پسند فرماتے تھے۔

چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اُس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا ــــــ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات و ہدایات کے علاوہ آپ نے اُمت کو اپنے طرزِ عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے، اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی و قومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں ــــــ یہی وجہ ہے کہ اُمت کے اُن اصحابِ صلاح و تقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباعِ سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے ــــــ دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے اسلئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں ایسے اصولی احکام دے دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے!۔

(۲۹۲) عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَّ اِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ ــــــ رواہ البخاری و مسلم

ابو بردہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اور جبہ کے آگے پیچھے کے چاکوں پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماءؓ نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ مُبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (اُمّ المؤمنین) کے پاس تھا جب اُن کا انتقال ہو گیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح رومی جُبّہ استعمال فرمایا (جس کا ذکر اوپر والی حدیث میں گزر چکا ہے) اسی طرح آپ نے کسروانی جُبّہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہِ فارس کسریٰ کی طرف کیجاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیبا کا حاشیہ بھی تھا جس کا اُس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تشریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار اُنگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اسلئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبّہ کا حاشیہ اس حد کے اندر ہی ہوگا ——— دوسری خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابۂ کرامؓ ہی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ ان کا غسالہ (دھوون کا پانی) شفایابی کی اُمید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا اُن پر چھڑکا جاتا تھا۔

(۲۹۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ وَقَدْ أَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ ——— رواہ مسلم

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا، اس وقت آپ سیاہ رنگ کا

(۲۹۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ ــــــ

ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک (دفعہ) رُومی جُبّہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں ــــــ

ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت مغیرہؓ کی اسی حدیث کی اکثر دوسری روایتوں میں اس کو "شامی جُبّہ" کہا گیا ہے۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ شام اُس زمانے میں چونکہ رومی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا اسلئے وہاں کی چیزوں کو رومی بھی کہہ دیا جاتا تھا اور شامی بھی! ــــــ بہرحال اِس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ دوسری قوموں کے بنائے ہوئے اور دوسرے مُلکوں سے آئے ہوئے کپڑے استعمال کئے جاسکتے ہیں، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائے ہیں۔

(۲۹۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَّفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا ــــــ رواہ مسلم

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبّہ نکال کر دکھایا اُس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان

(طنز و اعتراض کے طور پر) کہا، کہ یہ بڑھیا جوڑا (جو آپ پہنے ہوئے ہیں) کیا ہے؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ بڑھیا قسم کا حسین و جمیل لباس اُسوۂ نبویؐ اور مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے) (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ تم میرے اِس اچھے لباس پر کیا اعتراض کرتے ہو، میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حبرہ سے حبرہ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا ہے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے اِس بیان سے بھی معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اچھا نفیس لباس بھی استعمال فرمایا ہے، اِسلئے اُن خوارج کا یہ سمجھنا کہ اچھا اور عمدہ لباس پہننا طریقۂ نبویؐ یا مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے اُن کی جہالت تھی۔ ہاں اگر پہننے والے کا مقصد تفاخر و استکبار اور اپنی بڑائی کی نمائش ہو تو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہو چکا ہے سخت درجے کی معصیت اور موجبِ غضبِ خداوندی ہے لیکن اگر اظہارِ نعمت کی نیت سے یا کسی دوسری دینی مصلحت سے پہنا جائے تو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا اظہارِ نعمت کے لئے بھی تھا اور لانے والوں کی تطییبِ خاطر کے لئے بھی، اور بیانِ جواز کے لئے بھی۔

لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضورؐ کا معمول تھا: ———

بائیں اعضاء کے مقابلے میں داہنے اعضاء کو جو فضیلت حاصل ہے اور اس کی جو وجہ ہے اُس کا ذکر "آدابِ طعام" کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ اسی فضیلت کی وجہ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ لباس میں داہنی طرف سے ابتدا فرماتے تھے، یعنی جو کپڑا پہنتے داہنی جانب سے پہننا شروع فرماتے۔

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهٖ ——— رواہ الترمذی

عمامہ زیب سر فرمائے ہوئے تھے، اور اُس کا کنارہ (شملہ) آپ نے پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا ——— (صحیح مسلم)

(۲۹۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ ——— رواه الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی (بھی) زیب سر فرماتے تھے ——— (معجم کبیر طبرانی)

(۲۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَتِ الْحَرُورِيَّةُ أَتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ ائْتِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَلَبِسْتُ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنْ حُلَلِ الْيَمَنِ ——— قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَجُلًا جَمِيلًا جَهِيرًا ——— قَالَ فَأَتَيْتُهُمْ، قَالُوا مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَا هٰذِهِ الْحُلَّةُ؟ قُلْتُ مَا تَعِيبُونَ عَلَيَّ لَقَدْ رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنَ الْحُلَلِ ———

——— رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج کا ظہور ہوا، تو میں حضرت علیؓ کے پاس آیا، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ:- تم ان لوگوں کے (یعنی گروہِ خوارج کے) پاس جاؤ (اور اُن کو سمجھانے اور اُن پر حجت قائم کرنے کی کوشش کرو) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حسین و نفیس قسم کا ایک یمنی جوڑا پہنا ——— واقعہ کے راوی ابوزمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس خود بہت حسین و جمیل تھے اور آواز بھی زوردار تھی ——— آگے ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ جب میں خوارج کی جماعت کے پاس پہونچا تو انھوں نے مرحبا کہہ کے میرا استقبال کیا اور ساتھ ہی

(تشریح) کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور مختصر دعاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے "آداب لباس" کے بالکل شروع میں بھی درج کی جا چکی ہے ——— اور اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد پنجم) میں سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ" تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائینگے ——— اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر حمد و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

جوتا پہننے کے بارے میں ہدایات: ———

(۳۰۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا یَقُوْلُ اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا یَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے ایک سفر پر روانہ ہو رہے تھے، میں نے آپ کو سنا آپ ہدایت دے رہے تھے کہ۔ لوگو! جوتیاں زیادہ لے لو، کیونکہ آدمی جب تک پاؤں میں جوتا پہنے رہتا ہے تو وہ سوار کی طرح رہتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ جو آدمی جوتا پہن کے چلتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو بغیر جوتا پہنے چلے، تیز بھی چلتا ہے اور کم تھکتا ہے۔ اس کا پاؤں محفوظ بھی رہتا ہے یہی

لہ اس دعا کا ترجمہ یہ ہے: "اس اللہ کے لئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کرتا پہنتے تو داہنی جانب سے شروع فرماتے ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں کرتے کا ذکر بطور مثال کے سمجھنا چاہئے ـــ حضرت ابوہریرہؓ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ حضورؐ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب کپڑا پہنا جائے، یا وضو کیا جائے تو داہنے اعضاء سے شروع کیا جائے"۔

کپڑا پہننے کے وقت کی حضورؐ کی دعا:

(۳۰۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کرتا یا چادر تو اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہتے کہ: "اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کرتا یا چادر) خداوندا! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کا خیر اور جو اس کے وجود کا مقصد ہے اس کا خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعث خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً اس کو پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اور اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اس سے میری حفاظت فرما)"۔

ـــــ (جامع ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ شاہِ فارس کسریٰ اور شاہِ روم قیصر اور شاہِ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھائیں (اور اُن کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمراں لوگ مُہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے، تو حضورؐ نے مُہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی، اُس میں نقش تھا:—

"محمّد رسُول اللہ" ——— (صحیح مسلم)

(اور اِسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مُہر میں تین سطریں تھیں، ایک سطر میں "محمّد" دوسری سطر میں "رسُول" اور تیسری سطر میں "اللہ") ———

(تشریح) صحیح روایات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ کے آخر میں سفرِ حدیبیہ سے واپسی کے بعد اُس وقت کی دُنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے ——— اُسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابۂ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور کی مُہر ہونا ضروری ہے، یہ حکمراں لوگ مُہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) ——— حضورؐ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس کے نگینہ میں "محمّد رسُول اللہ" کندہ تھا ———

صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے ——— اس طرح (اللہ / رسول / محمد) یہی آپ کی مُہر اور یہی آپ کی انگوٹھی تھی — روایات میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی، گویا کبھی آپ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

———

مطلب ہے اس کا کہ "وہ سوار کی طرح رہتا ہے" ——— اور ہمارے اس زمانہ میں تو فوجیوں کے لئے اُن کا خاص جوتا اُن کی وردی کا جز ہے۔

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْیَبْدَاْ بِالْیُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَاْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْیُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں پہنے اور جب نکالنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے نکالے (الغرض) داہنا پاؤں جوتا پہننے میں مقدم اور نکالنے میں مؤخر ہو ——— (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جوتا پہننے میں پاؤں کا اکرام واعزاز ہے اور داہنے اعضاء کو بائیں اعضاء کے مقابلہ میں جو فضیلت اور ترجیح حاصل ہے (جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اس کا حق اور تقاضا ہے کہ جوتا داہنے پاؤں میں پہنا پہلے جائے اور نکالا بعد میں جائے۔

انگشتری اور مُہر کے بارے میں حضورؐ کا طرزِ عمل اور ہدایات:—

(۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَیْصَرَ وَالنَّجَاشِیِّ فَقِیْلَ اِنَّهُمْ لَا یَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ——— رواہ مسلم۔ (وفی روایۃ للبخاری کان نقش الخاتم ثلثۃ اَسْطُر محمدٌ سطرٌ ورسولٌ سطرٌ واللّٰهُ سطرٌ)

ان کے پاس جو چیز شریعت کے خلاف ہو اُس کو چھین کر پھینک دیا جائے یا توڑ پھوڑ دیا جائے۔
ان صحابی نے لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنی سونے کی انگوٹھی نہیں اٹھائی اور وہ جواب دیا، جو حدیث میں مذکور ہوا۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام کا ایمانی مقام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی حصّہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

ڈاڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات :——

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور طرزِ عمل سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ظاہری ہیئت اور شکل وصورت کے بارے میں بھی اُمّت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے!۔

(۳۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ — رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- یہ پانچ چیزیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے اور دینِ فطرت کے خاص احکام ہیں —— ختنہ[1]، زیر ناف بالوں[2] کی صفائی، مونچھیں[3] تراشنا، ناخن[4] لینا اور بغل[5] کے بال لینا —— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) بعض دوسری حدیثوں میں ان چیزوں کو انبیاء ومرسلین کی سُنّت اور اُن کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں اسلئے ہونا بھی یہی چاہئے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کا یہی طریقہ اور یہی اُن کی تعلیم ہو۔ ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ طہارت وصفائی اور پاکیزگی ہے جو بلاشبہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔

(۳۰۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ، فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ اِنْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اس کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دی، اور ارشاد فرمایا کہ:- تم میں سے کسی کسی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی خواہش سے دوزخ کا انگارہ لے کر اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے (یعنی مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی گویا دوزخ کی آگ ہے جو اُس نے شوق سے ہاتھ میں لے رکھی ہے)۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے اُن صاحب سے کہا (جن کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکال کر حضورؐ نے پھینک دی تھی) کہ اپنی انگوٹھی اُٹھالو اور (کسی طرح) اپنے کام میں لے آؤ (مثلاً فروخت کر دو، یا گھر کی خواتین میں سے کسی کو دے دو) اُن صاحب نے کہا خدا کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا ہے تو اب کبھی میں اس کو نہیں اٹھاؤں گا۔ ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے دوسرے زیورات کی طرح اس کی انگوٹھی کا استعمال بھی مردوں کے لئے حرام و ناجائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مناسب اور مفید سمجھا جائے تو اپنے خاص لوگوں کے ساتھ اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ

یہی تھا کہ وہ ڈاڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے، ڈاڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے۔ خود مغربی اقوام میں بھی (جہاں ڈاڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے) ڈاڑھی کو قابلِ احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کاش! ہم مسلمان محسوس کریں کہ ڈاڑھی رکھنا ہمارے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے نبیوں، رسولوں کی سنت اور اُن کے طریقے سے وابستگی کی علامت ہے، اور ڈاڑھی نہ رکھنا اُن کے منکروں کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں صرف ڈاڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ڈاڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کم نہ کرایا جائے۔ لیکن آگے متصلاً امام ترمذی کی روایت سے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اُس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے ——— اور مندرجۂ بالا حدیث: "اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰى" کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت میں ہے کہ اُن کی ڈاڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ اُن کو ترشوا دیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرزِ عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیرِ تشریح حدیث: "اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰى" کا مطلب اور مدّعا یہ ہوگا کہ ڈاڑھی رکھی جائے، نہ مُنڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے۔

ہمارے فقہا نے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے ——— ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے، اِس سے کم کرانا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِیْ قَصِّ الشَّوَارِبِ وَ تَقْلِیْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مونچھیں ترشوانے اور ناخن لینے اور بغل اور زیرِ ناف کی صفائی کے سلسلہ میں ہمارے واسطے حد مقرر کر دی گئی ہے کہ ۴۰ دن سے زیادہ نہ چھوڑیں ـــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) کنز العمال میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ: ـــــــــ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کو نکلنے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور لبیں لیتے تھے[1]"

اسلئے مسنون یہی ہے کہ ہر ہفتہ یہ جسمانی اصلاح و صفائی کا کام کیا جائے، اور آخری حد ۴۰ دن تک کی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ اگر اس سے زیادہ تغافل برتا تو ایک درجہ کی نافرمانی ہوگی، اور علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔

(۳۰۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰى۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مونچھوں کو خوب باریک کرو اور ڈاڑھیاں چھوڑو۔

ـــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی

---

[1] کنز العمال۔ (ص۲۵)۔ (جلد ۴)۔۲

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم) نافع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ منع فرماتے تھے قَزَعْ سے ـــــ نافع سے پوچھا گیا کہ قَزَعْ کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کہ قَزَعْ یہ ہے کہ بچے کے سر کے کچھ حصہ کے بال مونڈ دیئے جائیں اور کچھ حصہ کے چھوڑ دیئے جائیں ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو دیکھا جس کے سر کے کچھ بال مونڈ دیئے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے تھے تو آپ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ یا تو پورا سر مونڈا جائے یا پورے سر پر بال چھوڑ دیئے جائیں ـــــ اس حکم کی وجہ ظاہر ہے، سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا انتہائی بے ڈھنگے پن کی بات ہے اور اس سے بچے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس حکم پر اس سے ملتی جلتی دوسری صورتوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم: ـــــ

(۳۱۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِي فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِي كَفَّيْكِ فَكَاَنَّمَا كَفَّا سَبُعٍ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے بیعت کر لیجئے؟" آپ نے فرمایا کہ "میں تم کو اُس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلو گی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ

(۳۰۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا ——— رواه الترمذی

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے عرض سے بھی اور طول سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے۔

——— (جامع ترمذی)

(۳۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ ——— رواه ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- جس شخص کے بال ہوں اُس کو چاہیئے کہ وہ اُن بالوں کا اکرام کرے ——— (سنن ابوداؤد)

(تشریح) بالوں کا اکرام یہ ہے کہ اُن کو دھویا جائے، حسب ضرورت تیل لگایا جائے، اُن میں کنگھی بھی کی جائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی یہی تھا، آپ ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے جو کبھی کانوں تک اور کبھی کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ آپ ان کو اہتمام سے دھوتے بھی تھے، ان میں تیل بھی لگاتے تھے، کنگھی بھی فرماتے تھے ——— علماء نے لکھا ہے کہ حج اور عمرہ کے سوا کبھی سر کے بالوں کا منڈوانا آپ سے ثابت نہیں۔

(۳۱۱) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ الْقَزَعِ ——— قِيلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ؟ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ بَعْضٌ۔

——— رواه البخاری ومسلم

ستر اور پردے کے بارے میں ہدایات

انسان کی معاشرتی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ اُن خصائص میں سے ہے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے ـــــ خالق کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادّہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اسلئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصّے کو اور اپنے کسی فعل کو چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے، اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

بہرحال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے تمام اقوام وملل اپنے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہیئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معمولات میں سے ہے کہ اس باب میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے، گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز وتفوق حاصل ہے اسی طرح اس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ اس کی

معلوم ہوتے ہیں" ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، اور اُسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ پہلی بیعت کی ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اِس حدیث میں ہندہ کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انھوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے، اور اسی موقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔

دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت و تعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطۂ نظر معلوم ہوگیا کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں، ظاہر ہے کہ یہ چیز اُن کے اور اُن کے شوہروں کے درمیان محبّت اور قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

نگاہیں نیچی کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقلِ سلیم دی ہے اور اُن کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، وہ اگر غور کریں گے تو انشاء اللہ انھیں اس میں شبہ نہ ہوگا کہ یہ احکام انسان کے جذبۂ حیا کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے اُن شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں، اور کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھنونے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔

اِس تمہید کے بعد اور اسی کی روشنی میں اس باب سے متعلق رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھیئے!۔

ضروری سَتر:——

(۳۱۳) عَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت جرہد ابن خویلد سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کیا تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) سَتر میں شامل ہے (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں) ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) انسانی جسم کے جو حصّے عرف میں شرمگاہ کہلاتے ہیں اُن کے بارے میں تو ہر آدمی حتیٰ کہ خدا کے اور کسی دین و مذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا سَتر یعنی چھپانا ضروری ہے ——— رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرمگاہ اور اُس کے قریبی حصّے ہی نہیں بلکہ ران تک سَتر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری۔ یہ گویا سَتر کے بارے میں تکمیلی تعلیم اور ہدایت ہے ——— اِس حدیث میں فَخِذٌ (ران) کو عَوْرَةٌ فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لغوی معنی ہیں چھپانے کی چیز

جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مردوں سے کہیں زیادہ ہے، اسی لئے اُن کے پیدا کرنے والے نے اُن میں حیا کا جذبہ بھی مردوں سے زیادہ رکھا ہے ـــــ بہرحال اولادِ آدم کے لئے ستر اور پردہ بنیادی طور پر اُن کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دُنیا کے مسلّمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ نے دیں وہ بلاشبہ اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ کی لائی ہوئی کتاب ہدایت قرآن مجید ہی میں دے دیئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ: ـــــ "نسلِ آدم کو ستر چھپانے کی ہدایت اُسی ابتدائی دَور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا"

پھر سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں خاص کر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ اُن کی اصل جگہ اپنا گھر ہے، لہٰذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں ـــــ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جسکی اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں ـــــ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں، یا آنے جانے والے عزیزوں، قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں ـــــ اور مردوں کو چاہئے کہ اپنے اہلِ قرابت یا دیگر اہلِ تعلق کے گھروں میں اچانک بلا اطلاع اور اجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو دیکھنے تاکنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ سامنا ہو جائے تو

(۳۱۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ ——— رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- لوگو (تنہائی کی حالت میں بھی) برہنگی سے پرہیز کرو (یعنی بے ضرورت تنہائی میں بھی ستر نہ کھولو) کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے برابر رہتے ہیں، کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت اور میاں بیوی کی صحبت کے وقت کے، لہٰذا ان کی شرم کرو اور ان کا احترام کرو ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین وغیرہ جو فرشتے انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں، وہ ان اوقات میں الگ ہو جاتے ہیں جب آدمی اپنی فطری ضرورت سے بے پردہ ہوتا ہے۔

(۳۱۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا ——— قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ ———

——— رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه

بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انھوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- اپنی شرمگاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی

جس کا کھلنا شرم وحیا کے خلاف ہو۔

(۳۱۴) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ ——— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ:۔ اے علی! اپنی ران نہ کھولو، اور کسی زندہ یا مُردہ آدمی کی ران کی طرف نظر نہ کرو ——— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۱۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نظر نہ کرے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جسم کے وہ مخصوص حصے جن کو چھپانا ضروری قرار دیا گیا ہے (یعنی ناف کے نیچے سے رانوں تک) اُن کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں کے لئے بھی جائز نہیں، اور بلاشبہ حیا اور شرم کا تقاضا یہی ہے، ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوں گے۔

تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری: ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلا ضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے، اللہ سے اور اُس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

کی آیت :۔ "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی" میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضورؐ کا صریح ارشاد ہے :۔ "اِنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ" یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نظر بازی موجب لعنت :۔

(۳۱۹) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْهِ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اُس پر جس کو دیکھا جائے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے ستر کو (جس کا دیکھنا حرام ہے) دیکھے، تو اُس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے، یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے۔ اور اسی طرح وہ بھی رحمتِ خداوندی سے محروم ہے جس نے قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا اور دکھایا۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑجانے کا حکم :۔

(۳۲۰) عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِیْ ——— رواہ مسلم

بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! کیا فرماتے ہیں اُس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟ (کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو)۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سزاوار ہے اور اس کا زیادہ حق ہے کہ اُس سے شرم کی جائے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عورتوں کو پردہ ضروری، باہر نکلنا موجب فتنہ:

(۳۱۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے، اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اُس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) عربی زبان میں "عورت" اُس چیز یا اُس حصۂ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے "اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ" یعنی صنفِ خواتین کی نوعیت یہی ہے، اُن کو پردے میں رہنا چاہئے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ:۔ جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تاکہ شیطانوں اور اُن کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے، اور اگر ضرورت سے نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید

(تشریح) یعنی ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ آخرت کے بے حساب اجر و ثواب سے پہلے اپنے اُس مومن بندے کو حلاوتِ عبادت کی نہایت اعلیٰ رُوحانی لذت اسی دُنیا میں عطا فرمائے گا۔

غیر عورت پر نظر پڑ جانے سے دل میں گندہ جذبہ پیدا ہو تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ کوئی کھانے پینے کی مرغوب چیز دیکھے یا خوشبو ہی آجائے تو اُس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ گرمی اور تپش کی حالت میں ٹھنڈی سایہ دار اور خوش منظر جگہ دیکھ کر وہاں ٹھہرنے اور آرام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے سے بسا اوقات شہوانی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے جو اغوائے شیطانی سے بہت بُرے نتائج تک بھی پہونچا سکتا ہے اور کم از کم آدمی ایک قسم کی بے چینی میں تو مُبتلا ہو ہی جاتا ہے۔ نفس و رُوح کے معالج اعظم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی علاج بتلایا ہے۔

(۳۲۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْاَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمِدْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذَالِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهٖ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت شیطان کی طرح آتی یا جاتی ہے (یعنی اُس کا ڈھنگ اور اُس کی چال آدمی کے لئے شیطانی فتنہ کا سامان بن سکتی ہے) تو اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ کوئی ایسی عورت اچھی لگے اور اُس کے ساتھ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟) تو آپ نے مجھ حکم دیا کہ میں اُدھر سے اپنی نگاہ پھیر لوں ——— (صحیح مسلم)

(۳۲۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ ———

——— رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ فرمایا: — اے علی! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے) تو دوبارہ نظر نہ کرو، تمہارے لئے پہلی نظر (جو بلا ارادہ اور اچانک پڑ گئی وہ) تو جائز ہے (یعنی اس پر مواخذہ اور گناہ نہ ہوگا) اور دوسری جائز نہیں ——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۳۲۲) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلٰى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا

——— رواہ احمد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: — جس مرد مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کر لے اور (اُس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت و حلاوت محسوس کرے گا ———

(مسند احمد)

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ تم (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملہ میں بہت احتیاط کرو)۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ:۔ شوہر کے قریبی رشتہ داروں (دیور وغیرہ) کے بارے میں حضورؐ کا کیا ارشاد ہے؟ (کیا اُن کے لئے بھی یہی حکم ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:۔ وہ تو بالکل موت اور ہلاکت ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

(تشریح) شوہر کے قریبی رشتہ داروں میں اُس کے باپ اور اس کی اولاد تو بیوی کیلئے محرم ہیں، ان کے علاوہ سارے رشتہ دار حتّٰی کہ حقیقی بھائی بھی نامحرم ہیں، اُن کا بھی آزادانہ طور پر گھر میں آنا اور خلوت وجلوت میں بے تکلّف اور بے پردہ ملنا اور باتیں کرنا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق انتہائی خطرناک اور عفّت و دیانت کیلئے گویا زہر قاتل ہے۔

(۳۲۶) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ۔

رواہ الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ (خاصکر) اُن خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں، کیونکہ شیطان (یعنی اُس کے اثرات و وساوس) سب میں اِس طرح (غیر مرئی طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا:۔ اور کیا آپ میں بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اور مجھ میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں)

دلچسپی اور دل میں اس کی خواہش پیدا ہو جائے تو اُس آدمی کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرے، اس سے اُس کی اس گندی خواہش نفس کا علاج ہو جائے گا ——— (صحیح مسلم)

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت:

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے، ایسی صورت میں اُس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

(۳۲۴) عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ۔

——— رواہ الترمذی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نامحرم شخص تنہائی میں کسی عورت سے ملے گا تو شیطان ان کو معصیت میں مبتلا کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ اس لعین دشمن ایمان کو اس کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(۳۲۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔ رواہ البخاری ومسلم

خاص مدد فرمائی ہے اسلئے میں محفوظ رہتا ہوں ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں اُن سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے کہ فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی، اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، اور اُس کے وساوس و اثرات آدمی میں اس طرح دوڑتے جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے ——— اس موقع پر کسی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ:- حضرتؐ! اس بارے میں (یعنی شیطانی وساوس و تصرفات کے بارے میں) حضورؐ کا کیا حال ہے؟ - آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:- شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اُس کے وساوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں، مجھ پر اُس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی یا فتنہ میں مبتلا نہیں کر سکتا ——— یہ در اصل عفتِ عصمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا ——— یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ

معارف الحدیث جلد ششم (کتاب المعاشرۃ والمعاملات) کی ضخامت اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ پہلا حصہ ستر و حجاب کے بیان پر یہاں ختم ہو گیا۔ دوسرا حصہ "کتاب النکاح" سے شروع ہوگا اور تجارت وغیرہ تمام مالی معاملات سے متعلق احادیث اس میں درج ہوں گی۔

——— ناظم کتب خانہ اشاعت اسلام لکھنؤ

آپ

حج کیسے کریں

حج کے موضوع پر اردو زبان میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں

لیکن یہ کتاب، جو دراصل مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی

کی مشترک تالیف ہے، اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز و منفرد ہے کہ یہ بہت آسان

اور دل نشیں انداز میں حج کا طریقہ اور اس کے احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور

ذوق و شوق اور جذبۂ عشق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔

اللہ کے جن بندوں نے اس کتاب کو لیکر اور اس کی رہنمائی میں حج کیا

ہے اُن کا بیان ہے کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور مخلص معلم

اور صاحب دل مرشد انگلی پکڑ کر مسنون اور عاشقانہ حج کرا رہا ہے

آخر میں شوق انگیز اور وجد آور نظمیں بھی شامل ہیں ——— عمدہ کاغذ ——— قیمت مجلد صرف دو روپے

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ ایسے کم تعلیم یافتہ حضرات کیلئے

جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں بہترین رہنما ہے۔

- پاکٹ سائز
- خوش نما ٹائیٹل
- قیمت صرف پچھتر پیسے

نوٹ ہماری دیگر بیش قیمت مطبوعات کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی اہم مطبوعات کے لئے

فہرست کتب مفت طلب فرمائیے

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ